# فہرست


| | | | |
|---|---|---|---|
| اداریہ | ابتدا تیرے نام سے | صائمہ اسما | 5 |
| انوارِ ربانی | قرآن کا معجزہ | ڈاکٹر مقبول احمد شاہد | 7 |
| قولِ نبیؐ | فتنے اور ان سے بچاؤ کے راستے | مولانا یوسف بنوری | 12 |
| گزرا ہوا زمانہ | اہم واقعات کا مہینہ | محمد ظہیر الدین بھٹی | 17 |
| خاص مضمون | رمضان المبارک فضائل اور احکام | ابو عبدالرحمٰن محمد | 20 |
| حالاتِ حاضرہ | ڈرون آپریٹر کا عبرتناک انجام | رچرڈ اینگل | 27 |
| نوائے شوق | توحیدِ خالص | حالؔی | 30 |
| | ماہِ صیام | عشرت لطافت | 30 |
| | بنامِ عافیہ | عذرا مریم خان | 31 |
| | غزل | شبنم طارق | 32 |
| | غزل | عفیرہ زینب | 32 |
| حقیقت و افسانہ | خامہ انگشت بدنداں ہے | ربیعہ ندرت | 33 |
| | ڈراپ سین | ڈاکٹر شگفتہ نقوی | 38 |
| | باس | ام حمزہ | 44 |
| | مرشدِ کامل | طاہرہ کامران | 53 |
| ملاقات | محترمہ حمیرا مودودی سے ایک ملاقات | آسیہ راشد | 55 |
| مطالعہ گاہ | میری لائبریری سے | قانتہ رابعہ | 63 |
| حسنِ معاشرت | آیئے اصلی روزہ رکھیں! | افشاں نوید | 67 |
| نہاں خانۂ دل | ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں | مریم خان | 71 |
| زندگی کا فن | میں اللہ کی Employee ہوں | فریدہ خالد | 73 |
| غذا و صحت | کریلے کھایئے صحت پایئے | نور العین کوکب | 75 |
| محشر خیال | ام ریّان، فریدہ خالد، خورشید بیگم، عافیہ رحمت | | 78 |

# ابتدا تیرے نام سے

قارئین کرام! ماہِ صیام کی آمد مبارک ہو۔ خوش قسمت ہیں وہ جن کو زندگی میں ایک بار پھر رحمت و مغفرت کے اس بہتے دریا سے فیض یابی کا موقع حاصل ہو رہا ہے۔ اللہ کرے ہم سب اس نعمت سے کماحقہٗ فائدہ اٹھانے والے ہوں آمین۔

نئی وفاقی و صوبائی حکومتوں نے کام شروع کیا اور ساتھ ہی ملک دہشت گردی کی ایک نئی لہر کی لپیٹ میں آ گیا۔ دہشت گرد بھی عجب ڈھنگ کے ہیں جنہوں نے انتخابات اور حکومت سازی کے تمام عمل کے دوران نہایت شرافت کا ثبوت دیا، ورنہ ان کی حالیہ کارروائیوں جیسی کوئی بھی کارروائی اس عمل میں ٹھیک ٹھاک رخنہ ڈال سکتی تھی۔ بہرحال اس ماہ پشاور، کوئٹہ، کراچی اور گلگت بدترین دہشت گردی کی زد میں رہے۔

سب سے زیادہ المناک سانحہ کوئٹہ میں طالبات کی بس میں دھماکہ ہے جس نے ایک ساتھ کتنے ہی گھروں میں اندھیرے اتار دیئے۔ پشاور میں حالیہ خودکش حملہ جامع مسجد میں ہوا جس میں کئی نمازی جاں بحق ہوئے۔ کراچی میں پہلے ایم کیو ایم کے ایک ایم پی اے کو قتل کیا گیا اور پھر ہائیکورٹ کے جج مقبول باقر بم حملے کے نتیجے میں جان ہار گئے۔ پھر ملکی ساکھ کے لئے سب زیادہ نقصان دہ واقعہ دیامر میں ہوا جہاں دس غیر ملکی سیاحوں کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا گیا۔

بظاہر یہ ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے مختلف واقعات ہیں، مگر گزشتہ بارہ تیرہ برس کے تناظر میں دیکھا جائے تو ان سب میں ایک منطقی ربط و تسلسل موجود ہے۔ میڈیا اور حکومت کے مطابق ان کی ذمہ داری خواہ کسی نے قبول کی ہو، یا تحقیقات نے کسی طرف بھی اشارہ کیا ہو، یوں محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کا یہ سارا منصوبہ بے حد مربوط اور سوچا سمجھا ہے اور اپنی نوعیت میں بے حد علامتی ہے۔ مثلاً بلوچستان جیسے پسماندہ صوبے میں تعلیم پانے والی لڑکیوں پر حملہ اور غیر ملکی سیاحوں کا قتل، یہ دونوں واقعات پاکستان کو طالبان اور انتہا پسندوں کے ہاتھوں غیر محفوظ قرار دینے کی علامت ہیں۔ پشاور میں مسجد پر حملہ فرقہ واریت کے تاثر کو مضبوط کرنے کی علامت، جبکہ کراچی کی ٹارگٹ کلنگ ''نامعلوم افراد'' کی دہشت گردی اور نتیجے میں کراچی کو فوج کے حوالے کرنے کی راہ ہموار کرتی نظر آتی ہے۔ جبکہ اب تو سارا ملک خوب جانتا ہے کہ یہ نامعلوم افراد کون ہیں۔ جانے نہ جانے گُل ہی نہ جانے!

امن و امان اور قومی سلامتی کے یہ مسائل اگرچہ بڑے اور گنجلک ہیں مگر اکثریتی مینڈیٹ لینے والی جمہوری حکومت کے لئے یہ کوئی لاینحل مسائل نہیں ہونے چاہئیں۔ ن لیگ اور تحریک انصاف کو ملنے والے مجموعی ووٹوں کو سامنے رکھا جائے تو عوام نے بھاری اکثریت سے دہشت گردی کی جنگ سے باہر نکلنے اور امریکی دھمکیوں کے آگے ڈٹ جانے کے لئے مینڈیٹ دیا ہے لہٰذا یہ وہ معاملات ہیں جن پر سادہ اکثریت تو کیا دو تہائی اکثریت سے مستحکم فیصلے ہو سکتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس سلسلے میں ٹھوس عملی

اقدامات نہ کیے جائیں۔ڈورن حملے بند کرنے کے لئے بھی زبانی جمع خرچ سے بڑھ کر کسی عملی قدم کا ہنوز انتظار ہے۔

خیبر پختونخوا میں صحت اور تعلیم کی مد میں مختص کردہ بجٹ کی مجموعی شرح فیصد تمام صوبوں سے زیادہ ہے اور غیر پیداواری حکومتی اخراجات کم کر دیئے گئے ہیں۔یہ مثال دوسرے صوبوں کے لئے بھی قابل تقلید ہے اور خصوصاً مرکز کے لئے، جہاں ایک رپورٹ کے مطابق ایوان کے اجلاس کے دوران غریب عوام کے نمائندوں نے کروڑوں روپے محض کھانے پینے کی مد میں اڑا دیئے۔اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو حکومتی خرچ پر کھلاتے پلاتے اور اپنی شان کا مظاہرہ کرتے رہے۔یہ نمائندگان زیادہ تر وہ ہیں جو اپنے اپنے علاقوں میں بڑی بڑی جاگیروں،صنعتوں اور بیک بیلنس کے مالک ہیں۔پیٹ کی بھوک ختم ہو چکی ہے مگر یہ طبیعت کی بھوک کیسے ختم ہوگی!!یہ اس قائد کے نام لیوا اور وارثین ہیں، جو ذاتی کام کے دوران اپنے دفتر کا بلب بجھا دیا کرتے تھے۔

مرکزی بجٹ عام آدمی کے لئے ٹیکسوں میں مزید اضافہ لے کر آیا ہے۔یہ پہلے سے ٹیکس دینے والے چند فیصد عوام کو مزید سزا دینے کے مترادف ہے۔جبکہ ٹیکس کی بنیاد وسیع کرنے کی دیرینہ اور معقول تجویز پر عمل ہونا چاہیئے تھا۔پری پیڈ فون کارڈ کی حد تک ٹیکس کی شرح بڑھا دینا عام آدمی کی زندگی مزید اجیرن کرنے والے ظالمانہ اقدامات ہیں۔

بجلی کے بحران کی شدت میں کوئی خاص کمی نہ آسکی بلکہ کراچی کے عوام بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔پنجاب کے کئی شہروں میں احتجاج کا سلسلہ جاری رہا۔بلند درجہ حرارت اور نمی کے تناسب کے ساتھ بعض علاقوں میں کئی کئی گھنٹے کی بندش سے شہریوں کو جان کنی میں مبتلا رکھا۔اب روزہ داروں کے صبر کا امتحان سر پر ہے۔

مصر میں صدر مرسی نے حکومت کا ایک سال مکمل ہونے پر شفاف مالیاتی جائزہ پیش کیا اور ملک میں جاری احتجاج کو بیرونی طاقتوں کی جانب سے مصر کی جمہوری اصلاحات کو سبوثاژ کرنے کی کوشش قرار دیا۔مصر کے بعد ترکی میں بھی بائیں بازو کے سیکولر لبرل عناصر بعض حکومتی اصلاحات کو بنیاد بنا کر حکومت مخالف مظاہرے کر رہے ہیں جبکہ شراب کی فروخت کے بارے میں جن اصلاحات کو مذہبی رنگ دے کر متنازعہ بنایا جا رہا ہے وہ یورپ کے دیگر کئی ملکوں میں بھی رائج ہیں۔بین الاقوامی میڈیا اسلامی ملکوں میں اصلاح پسند جمہوری قوتوں کے حکومت میں آنے پر فوراً مرکز گریز قوتوں کو ابھارنا اور شہ دینا شروع کر دیتا ہے۔یہ مظاہرے بھی اسی روش کا مظہر ہیں۔

بہترین روزوں اور خوشگوار عیدِ سعید کی دعا کے ساتھ

طالب دعا

صائمہ اسما

# قرآن کا معجزہ

وہ کتاب جس کے مقابلے میں دنیا کی کوئی کتاب نہیں لائی جاسکتی، جو زبان وادب کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے اور تعلیم وحکمت کے لحاظ سے بھی

سب سے اہم موضوع جس پر قرآن کریم نے یہود و نصاریٰ کے غلط تصورات اور عقائد کی غلطی کو دور کیا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات اور ان کی تعلیمات کے بارے میں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں مبعوث ہونے والے آخری رسول تھے لیکن یہودیوں نے ان کو اللہ کا رسول ماننے سے انکار کر دیا۔ ان کے دشمن ہو گئے اور بالآخر اپنی دانست میں انھیں سولی پر چڑھا دیا۔ دوسری طرف عیسائی جو ان پر ایمان لائے تھے وہ ان کے بارے میں سخت غلو میں مبتلا ہو گئے اور انھیں انسانیت کے رتبے سے ہٹا کر اللہ کا بیٹا بنا دیا۔ قرآن نے دونوں گروہوں کی غلطیوں پر گرفت کی اور اُنھیں صحیح صورتحال سے آگاہ کیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا ایک عظیم معجزہ تھا اور آپؑ نے اپنی پیدائش کے فوراً بعد ایک مجمع عام میں اس کا اعلان کیا کہ میں اللہ کا بندہ اور نبی ہوں اور مجھے کتاب (انجیل) عطا کی گئی ہے (سورہ مریم)۔ آپ کا اس عمر میں اس طرح بولنا بھی ایک معجزہ تھا اور یہ اللہ تعالیٰ نے اس لیے کیا تا کہ لوگوں کو حضرت مریمؑ کی پاک دامنی کا یقین ہو جائے اور اس وقت یقیناً یہ مقصد حاصل بھی ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کی ہمیشہ کے لیے جڑ کاٹ دی تھی جو ولادت مسیح اور حضرت مریمؑ کے کردار کے بارے میں پیدا ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے سن شباب کو پہنچنے تک کبھی کسی نے نہ حضرت مریمؑ پر زنا کا الزام لگایا اور نہ حضرت عیسیٰؑ کو ناجائز ولادت کا طعنہ دیا۔ لیکن جب تیس برس کی عمر کو پہنچ کر آپ نے نبوت کے کام کی ابتدا فرمائی اور جب آپ نے یہودیوں کو ان کی بداعمالیوں پر ملامت کرنی شروع کی تو وہ آپؑ کے دشمن ہو گئے اور اس وقت انھوں نے وہ بات کہی جو تیس سال تک نہ کہی تھی اور حضرت مریمؑ پر زنا کا الزام لگا دیا۔ قرآن نے ان کے اس الزام کو صریح بہتان قرار دیا اور حضرت مریمؑ کی پاک دامنی کی اس طرح گواہی دی۔

''پھر یہ (یہودی) اپنے کفر میں اتنے بڑھے کہ مریمؑ پر سخت بہتان لگا دیا۔'' (النساء ۱۵۶)

''اور اللہ عمران کی بیٹی مریم کی مثال دیتا ہے جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی تھی۔ پھر ہم نے اس کے

اندر اپنی طرف سے روح پھونک دی، اور اس نے اپنے رب کے ارشادات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزار لوگوں میں سے تھی۔''
(التحریم۱۲)

اس کے بعد جب حضرت عیسیٰؑ کے خلاف یہودیوں کی دشمنی حد سے بڑھی تو انھوں نے اپنی دانست میں انھیں سولی پر چڑھا دیا اور قتل کر دیا۔لیکن قرآن ہمیں درج ذیل آیات میں یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو زندہ اٹھالیا تھا اور جس شخص کو یہودیوں نے صلیب پر چڑھایا وہ آپؑ کی ذات مقدس نہ تھی بلکہ کوئی اور شخص تھا جسے ان لوگوں نے عیسیٰؑ ابن مریم سمجھ لیا۔

''اور بنی اسرائیل نے خود کہا کہ ہم نے مسیح، عیسیٰ ابن مریم، رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔حالانکہ فی الواقع انھوں نے نہ اس کو قتل کیا، نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں۔ان کے پاس اس معاملے میں کوئی علم نہیں ہے، محض گمان ہی کی پیروی ہے۔ انھوں نے مسیحؑ کو یقیناً قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا ۔ اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے۔''
(النساء۱۵۷،۱۵۸)

ان آیات میں اختلاف کرنے والوں سے مراد عیسائی ہیں۔ ان میں حضرت عیسیٰؑ کے صلیب پر چڑھائے جانے کے بارے میں کوئی ایک قول نہیں بلکہ بیسیوں اقوال ہیں اور حقیقت کا علم کسی کو نہیں۔ حقیقت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان کر دی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں عیسائیوں نے جو غلط عقیدہ گھڑ لیا تھا اور جس پر وہ اب تک قائم ہیں وہ ان کی الوہیت کا عقیدہ ہے۔انھوں نے تین خداؤں کا تصور ایجاد کیا اور اللہ کے ساتھ عیسیٰؑ اور مریمؑ کو خدائی میں شریک کر لیا۔اس کی تردید قرآن میں اس طرح کی گئی:

''یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے، حالانکہ مسیحؑ نے کہا تھا، اے بنی اسرائیل! اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمھارا رب بھی۔جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے۔ حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔اگر یہ لوگ اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو ان

میں سے جس جس نے کفر کیا ہے اس کو دردناک سزا دی جائے گی۔تو پھر کیا یہ اللہ سے توبہ نہ کریں گے اور معافی نہ مانگیں گے؟ اللہ بہت درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ مسیح ابن مریم اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول تھا۔ اس سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے۔ اس کی ماں ایک راستباز عورت تھی اور وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم کس طرح ان کے سامنے حقیقت کی نشانیاں واضح کرتے ہیں، پھر دیکھو یہ کدھر الٹے پھرے جاتے ہیں۔''(المائدہ۷۲تا۷۵)

دوسرا غلط عقیدہ جو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں گھڑ لیا تھا وہ انھیں اللہ کا بیٹا قرار دینا تھا۔اس کی تردید قرآن میں اس طرح کی گئی۔

''یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے، اور عیسائی کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ بے حقیقت باتیں ہیں جو یہ اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں، ان لوگوں کی دیکھا دیکھی جو ان سے پہلے کفر میں مبتلا ہوئے تھے۔ خدا کی مار ان پر، یہ کہاں سے دھوکا کھا رہے ہیں۔انھوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے، اور اس طرح مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔ پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔''(التوبہ ۳۰-۳۱)

''اللہ کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے وہ پاک ذات ہے۔ وہ جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہوجا اور وہ ہوجاتی ہے۔''(مریم ۳۵)

حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دینے اور ان کے صلیب پر جان دینے کے غلط عقائد کو ملا کر عیسائیوں کے ایک مذہبی پیشوا سینٹ پال نے یہ عقیدہ بھی تصنیف کر ڈالا کہ اللہ نے اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی دے کر اولادِ آدم کے پیدائشی گناہ کا کفارہ ادا کر دیا۔ اب دنیا میں انسان جو چاہیں کرتے رہیں آخرت میں کوئی بازپرس نہیں ہو گی۔ قرآن نے متعدد مقامات پر اس نظریے کی تردید کی اور بتایا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے اعمال کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ ہر ایک کو اپنا بوجھ خود اٹھانا پڑے گا۔ (کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کے بوجھ نہیں اٹھائے گا۔النجم ۳۸)۔

عیسائیوں نے اپنے دین میں خود سے ایک اور چیز کا اضافہ کیا وہ رہبانیت تھی اور انھوں نے یہ سمجھ کر ترکِ دنیا کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ اس سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے حالانکہ نہ عیسیٰؑ نے اور نہ ہی اللہ کے کسی اور رسول نے اس کی تعلیم دی تھی۔ یہ ایک بدعت تھی جو عیسائیت کے مذہبی پیشواؤں نے ایجاد

کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد دوسو سال تک عیسائی کلیسا رہبانیت سے ناآشنا تھا لیکن تیسری صدی عیسوی تک پہنچتے پہنچتے اس نے ایک فتنے کی شکل اختیار کر لی اور رہبانیت ایک وبا کی طرح مسیحیت میں پھیلنی شروع ہوئی۔ قرآن نے ان کی اس غلطی کی نشاندہی کی اور اس بدعت اور گمراہی پر ان کی سرزنش کی اور فرمایا:

''ان کے بعد ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے، اور ان سب کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو مبعوث کیا اور اس کو انجیل عطا کی ، اور جن لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی ان کے دلوں میں ہم نے ترس اور رحم ڈال دیا اور رہبانیت انھوں نے خود ایجا کر لی۔ ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔ مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انھوں نے آپ ہی یہ بدعت نکالی اور پھر اس کی پابندی کرنے کا جو حق تھا اسے ادا نہ کیا۔ ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہوئے تھے ان کا اجر ہم نے ان کی عطا کیا۔ مگر ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔'' (الحدید ۲۷)

قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں کا ذکر کیا گیا ہے لیکن جب قرآن نازل ہوا ہے تو یہ صحیفے اسی وقت کہیں موجود نہیں تھے اور ان صحیفوں میں جو تعلیمات تھیں ان کا کسی کو علم نہیں تھا۔ قرآن نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں کی کچھ باتوں کا دو جگہ انکشاف کیا۔ ایک جگہ فرمایا:

''فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا، پھر نماز پڑھی۔ مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔ یہی بات پہلے آئے ہوئے صحیفوں میں بھی کہی گئی۔ ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں۔''

(الاعلیٰ ۱۴ تا ۱۹)

دوسری جگہ فرمایا:

''کیا اسے ان باتوں کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰؑ کے صحیفوں اور اس ابراہیمؑ کے صحیفوں میں بیان ہوئی ہیں جس نے وفا کا حق ادا کر دیا۔ یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے، اور یہ کہ اس کی سعی عنقریب دیکھی جائے گی اور اس کی پوری جزا اسے دی جائے گی، اور یہ کہ آخر کار پہنچنا ترے رب ہی کے پاس ہے۔ اور یہ کہ اسی نے ہنسایا اور اسی نے رلایا، اور یہ کہ اس نے موت دی اور اس نے زندگی بخشی، اور یہ کہ اسی نے نر اور مادہ کا جوڑا پیدا کیا ایک بوند سے جب وہ ٹپکائی جاتی ہے، اور یہ کہ دوسری زندگی بخشنا بھی اس کے ذمہ

ہے، اور یہ کہ اس نے غنی کیا اور جائیداد بخشی اور یہ کہ وہی شعریٰ کا رب ہے، اور یہ کہ اس نے عاد اولیٰ کو ہلاک کیا اور ثمود کو ایسا مٹایا کہ ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا اور ان سے پہلے قوم نوح کو تباہ کیا کیونکہ وہ تھے ہی ظالم و سرکش لوگ، اور اوندھی گرنے والی بستیوں کو اٹھا پھینکا، اور پھر چھا دیا ان پر وہ کچھ جو چھا دیا۔ پس اے مخاطب اپنے رب کی کن کن نعمتوں میں تو شک کرے گا؟'' (النجم ۳۶ تا ۵۵)

یہاں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کے صحیفوں کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی واضح کر دی کہ تمام انبیاء کی تعلیم بنیادی طور پر ایک ہی تھی، کوئی بھی نیا دین لے کر نہیں آیا تھا۔

## ۷۔ قرآن کی پیشین گوئیاں

قرآن کا ایک اہم معجزہ یہ ہے کہ اس نے مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے بارے میں پیشگی خبریں اور بشارتیں دیں۔ ان میں بہت سی پیشیں گوئیاں نبی کریمؐ کی زندگی میں ہی پوری ہوگئیں کچھ بعد میں ہوئیں اور کچھ آئندہ ہوں گی۔ ذیل میں کچھ پیش گوئیوں کی تفصیل دی جا رہی ہے۔

☆ مسلمانوں کے لیے غلبہ کی خوشخبری

نبی کریمؐ کو نبوت عطا ہونے کے بعد آپؐ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو بہت مشکل حالات سے گزرنا پڑا۔ مسلمان کفار کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ ایک طویل عرصے تک کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ ان بظاہر ناامیدی کے حالات میں قرآن میں بار بار مسلمانوں کو یہ خوشخبری دی گئی کہ بالآخر انہی کا غلبہ ہوگا اور یہ کفار جو اس وقت بہت طاقتور نظر آ رہے ہیں مغلوب ہو کر رہیں گے۔ نمونے کے طور پر چند آیات کا ترجمہ دیا جا رہا ہے۔

''یہ لوگ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا پھیلا کر رہے گا خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کر دے۔ خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔'' (الصّف ۸، ۹)

''اور وہ دوسری چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی تمھیں دے گا یعنی اللہ کی طرف سے نصرت اور قریب ہی حاصل ہو جانے والی فتح۔ اے نبی! اہل ایمان کو اس کی بشارت دے دو۔'' (الصّف ۱۳)

''اے نبیؐ! یقین جانو کہ جس نے یہ قرآن تم پر فرض کیا ہے وہ تمھیں ایک بہترین انجام کو پہنچانے والا ہے۔ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ ہدایت لے کر کون آیا ہے اور کھلی گمراہی میں

کون مبتلا ہے۔'' (القصص ۸۵)

''پس تم بودے نہ بنو اور صلح کی درخواست نہ کرو۔ تم ہی غالب رہنے والے ہو۔ اللہ تمھارے ساتھ ہے اور تمھارے اعمال کو وہ ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔'' (محمد ۳۵)

قرآن کی ان پیشین گوئیوں کے مطابق نبی کریمؐ کی زندگی میں ہی پورا جزیرہ نمائے عرب آپؐ کی حکمرانی میں اسلامی حکومت میں شامل ہو چکا تھا اور وہاں کوئی مشرک موجود نہ تھا۔ پھر اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور تقریباً گیارہ سو سال تک دنیا کے غالب حصے پر مسلمانوں کی حکمرانی رہی۔

☆ جنگ بدر میں فتح کی پیشین گوئی:

جنگ بدر میں فتح کی پہلی پیشین گوئی اس جنگ کے واقع ہونے سے ۹ سال پہلے ۶ نبوی بمطابق ۶۱۵ء، مکی دور میں سورۃ الروم میں دے دی گئی تھی۔ متعلقہ آیات کے الفاظ کا ترجمہ اس طرح ہے:

''رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں، اور اپنی اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر وہ غالب ہو جائیں گے۔ اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور وہ دن وہ ہوگا جبکہ اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منائیں گے۔ اللہ نصرت عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ زبردست اور رحیم ہے۔ یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے، اللہ اپنے وعدے کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتا، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔'' (الروم ۲-۶)

ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں دو بڑی سپر پاورز تھیں، ایک ایرانی سلطنت اور دوسرے رومی سلطنت۔ ایرانی آتش پرست تھے اور مشرکین عرب کی طرح انبیاء کو نہیں مانتے تھے، جبکہ رومی سلطنت عیسائی مذہب کی پیروکار تھی اور انبیاء کو ماننے کی وجہ سے مسلمانوں سے زیادہ قریب سمجھے جاتے تھے۔ ان دونوں عالمی طاقتوں کی آپس میں جنگیں ہوتی رہتی تھیں اور ایسی ہی جنگ میں ۶۱۵ء میں ایرانیوں نے رومیوں کو شکست دے کر ان کے بہت وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس پر مشرکین مکہ بہت خوش ہوئے کہ مسلمانوں سے ملتے جلتے عقائد رکھنے والے اہل کتاب شکست کھا گئے۔ اس پر سورۃ الروم کی یہ آیات نازل ہوئیں اور یہ پیشین گوئی کی گئی کہ دس سال کے اندر اندر رومی دوبارہ فتح یاب ہوں گے اور اس وقت مسلمانوں کو بھی اللہ تعالیٰ عظیم فتح سے نوازے گا اور مسلمان خوشیاں منائیں گے۔ جب یہ خوشخبری دی گئی اس وقت مسلمان قلیل تعداد میں تھے اور مکے میں مارے اور کھدیڑے جا رہے تھے اور اس پیشین گوئی کے بعد بھی آٹھ سال تک ان کے غلبہ اور فتح کا کوئی امکان کسی کو نظر نہ آتا تھا۔

فضیلۃ الشیخ
ابوعبدالرحمٰن محمد الترکیت

# رمضان المبارک فضائل اور احکام

پھر اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ ۶۲۲ء میں نبی کریمؐ ہجرت کر کے مدینے تشریف لے گئے اور ۶۲۴ء میں رومی سلطنت نے ایرانیوں کو شکست دے کر ایک وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا اور اسی سال یعنی ۲ ہجری میں جنگ بدر میں مسلمانوں نے کفار مکہ کی فوج کو زبردست شکست سے دوچار کیا اور مسلمانوں نے اس پر خوشیاں منائیں۔ اس طرح اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا۔

جنگ بدر میں فتح کی ایک اور پیشین گوئی قرآن کریم میں سورۃ القمر میں دی گئی۔ یہ سورہ ہجرت سے پانچ سال پہلے ۸ نبوی میں نازل ہوئی اس میں فرمایا گیا:

''اور آل فرعون کے پاس بھی تنبیہات آئی تھیں، مگر انھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلا دیا، آخر کو ہم نے انھیں پکڑا جس طرح کوئی زبردست قدرت والا پکڑتا ہے۔ کیا تمھارے کفار کچھ ان سے بہتر ہیں؟ یا آسمانی کتابوں میں تمھارے لیے کوئی معافی لکھی ہوئی ہے۔ یا ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم ایک مضبوط جتھا ہیں، اپنا بچاؤ کر لیں گے۔ عنقریب یہ جتھا شکست کھائے گا اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگتے نظر آئیں گے۔'' (القمر ۴۱ تا ۴۵)

جب یہ آیات نازل ہوئیں اس وقت کوئی شخص یہ تصور تک نہ کر سکتا تھا کہ مستقبل قریب میں یہ انقلاب کیسے ہوگا۔ مسلمانوں کی بے بسی کا حال یہ تھا کہ ان میں سے ایک گروہ ملک چھوڑ کر حبش میں پناہ گزین ہو چکا تھا اور باقی ماندہ مسلمان شعب ابی طالب میں محصور تھے جنھیں قریش کے مقاطعہ اور محاصرہ نے بھوکوں مار دیا تھا۔ اس حالت میں کون یہ سمجھ سکتا تھا کہ سات ہی برس کے اندر نقشہ بدل جانے والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد عکرمہ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے، جب سورہ قمر کی یہ آیات نازل ہوئیں تو میں حیران تھا کہ آخر یہ کون سی جمعیت ہے جو شکست کھائے گی؟ مگر جب جنگ بدر میں کفار شکست کھا کر بھاگ رہے تھے اس وقت میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہنے آگے کی طرف جھپٹ رہے ہیں اور آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہیں کہ **سیھزم الجمع ویولون الدبر** (عنقریب یہ جتھا شکست کھائے گا اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگتے نظر آئیں گے)۔ تب میری سمجھ

میں آیا کہ یہ تھی وہ شکست جس کی خبر دی گئی تھی۔''
(ابن جریر، ابن ابی حاتم)

(جاری ہے)

☆☆☆

رمضان المبارک عفوودرگزر کا مہینہ:

ہر قسم کی تعریف اس اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے اپنی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ معافی دینے والا اور قدرت والا ہے اور کثیر درودوسلام مخلوق میں سے بہترین ہستی جناب محمد بن عبداللہؐ، آپ کی آل اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ پر۔

آپؐ صبر کرنے والوں میں سے سب سے افضل اور معاف کرنے والوں میں سب سے بہتر تھے۔

حمد وثنا اور درودوسلام کے بعد:

ماہ رمضان عفوودرگزر، بخشش ورحمت اور جہنم سے آزادی کا مہینہ ہے۔ جس طرح ہم خود اس ماہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتے ہیں۔ اس طرح ہم پر بھی لازم ہے کہ ہم ستانے اور ظلم کرنے والے کو معاف کردیں۔

ماہ رمضان ایسی عظیم فرصت ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہے لہٰذا ہمیں اس سے استفادہ کرنا چاہیے اور زندگی کا نیا صفحہ کھولنا چاہیے جو محبت سے بھرپور ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ جس نے معاف کیا اور اپنی اصلاح کرلی۔ اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے بلاشبہ وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (سورہ شوریٰ)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تم نیکی اعلانیہ کرو یا چھپا کر یا تم کسی کی زیادتی کو معاف کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بدلہ لینے پر قادر ہے (النساء)

اللہ تعالیٰ معاف کردینے والے کی معافی کی قدر کرتے ہیں وہ اس طرح کہ جب وہ غلطی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کردیتے ہیں۔

محترم قاری! آپ کے ساتھ زیادتی کرنے والے کے لئے آپ کی معافی آپ کو اللہ تعالیٰ کے قریب لے جائے گی اور آپ کو اس کے بدلے بہترین اجر ملے گا۔

بے شک اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ بندوں کو سزا دینے پر قدرت وطاقت کے باوجود معاف کردیتا ہے۔ چنانچہ اس کا ارشاد گرامی ہے: بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور سزا دینے پر طاقت رکھنے والا ہے۔ ایک اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عرش کو اٹھانے والے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ان میں سے بعض یہ پڑھتے ہیں۔

سبحانك على حلمك بعد علمك اور بعض یہ کہتے ہیں: سبحانك على عفوك بعد قدر تك ترجمہ: سزا پر قدرت کے باوجود تیرے عفو پر ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے:

بے شک صبر و معافی عظیم کاموں میں سے ہے۔

آپؐ نے فرمایا: صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا اور درگزر کرنے پر اللہ تعالیٰ بندے کو عزت دیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے لئے انکسار اور تواضع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو سربلند کرتا ہے۔ (رواہ مسلم و احمد)

آپؐ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک ایسا دروازہ بنایا ہے جس میں سے صرف وہ شخص داخل ہوگا جس نے کسی کی طرف سے ہونے والے زیادتی کو معاف کر دیا۔ (احمد)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جناب رسالت مآبؐ کی موجودگی میں گالی دی آپؐ تعجب سے مسکراتے رہے جب وہ شخص حد سے آگے بڑھ گیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اس کو بعض باتوں کا جواب دیا اس پر آپؐ ناراض ہو کر چل دیئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آگے بڑھ کر آپؐ سے عرض کیا جناب جب وہ مجھے گالیاں دے رہا تھا تو آپؐ بیٹھے ہنستے رہے اور جب میں نے اس کی بعض باتوں کا جواب دیا تو آپؐ ناراض ہو کر چل دیئے؟

آپؐ نے فرمایا:

جب تو خاموش تھا تو فرشتہ تیری طرف سے جواب دے رہا تھا اور جب تو نے اس کا جواب دیا تو شیطان آ گیا اور میں شیطان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا!

پھر آپؐ نے فرمایا:

اے ابوبکرؓ تین باتیں بالکل برحق ہیں۔ جب کسی انسان پر کسی طرف سے ظلم ہوتا ہے مگر وہ اسے اللہ تعالیٰ کے لئے معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی خاص مدد سے اسے عزت عطا کرتا ہے۔

ایک انسان صلہ رحمی کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے کثرت مال سے نوازتا ہے اور اگر کوئی شخص مانگنے کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قلت مال میں مبتلا کر دیتا ہے (احمد۔ داؤد)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا:

قیامت کے دن منادی کرنے والا آواز دے گا جس پر کوئی کھڑا نہیں ہوگا۔ مگر ہاں وہ شخص جس کا اللہ تعالیٰ پر کوئی احسان ہوگا مخلوقات تعجب و حیرت سے عرض کریں گی اے ہر عیب سے پاک اللہ تعالیٰ احسان تو تیرا ہے؟

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ہاں! مجھ پر اس شخص کا احسان ہے جس نے استطاعت و قدرت کے باوجود دنیا

میں کسی کی زیادتی کو معاف کر دیا۔ (بیہقی)

آپؐ نے فرمایا: صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا اور اگر کوئی انسان اپنے لئے سوال کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر فقر و محتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ (طبرانی)

جناب رسالت مآبؐ کی طرف سے اپنے دشمنوں کو معافی کی ایک اعلیٰ مثال: حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آپؐ نے نجد کی طرف چند گھڑ سوار بھیجے جو حنفیہ قبیلہ کے سردار ثمامہ بن آثال کو گرفتار کر کے لائے اور اسے مسجد نبویؐ کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ آپؐ اس کے پاس آئے اور پوچھا:

ثمامہ تیرے پاس کیا ہے؟ وہ بولا: میرے ہاں سب خیر ہے اے محمدؐ! اگر تو مجھے قتل کرے گا تو ایسے شخص کو قتل کرے گا جس کے خون کا بدلہ لیا جائے گا اور اگر تو احسان کرے گا تو قدر دان پر احسان کیا جائے گا اور اگر تجھے مال چاہیے تو جتنا مال مانگے گا، تجھے ملے گا! آپؐ اسے چھوڑ کر چلے گئے اور دوسرے دن پھر آپؐ نے اس سے پوچھا: اے ثمامہ! تیرے پاس کیا ہے؟ وہ بولا: وہی جو میں نے آپؐ سے پہلے کہا تھا اگر تو احسان کرے گا تو ایک قدر دان پر احسان کرے گا اور اگر قتل کرے گا تو ایسے شخص کا قتل کرے گا جس کے قتل کا بدلہ لیا جائے گا اور اگر تجھے مال چاہیے تو جتنا مال مانگے گا ملے گا!

اس کے بعد آپؐ اس کے ہاں سے چلے گئے پھر جب کل ہوئی تو آپؐ نے پھر وہی سوال دہرایا اے ثمامہ! تیرے پاس کیا ہے؟ وہ بولا: میرے پاس پھر وہی ہے جو میں پہلے بتا چکا ہوں۔ اگر تو احسان کرے گا تو قدر دان پر احسان کرے گا اور اگر تو قتل کرے گا تو ایسے شخص کو قتل کرے گا جس کے خون کا بدلہ لیا جائے گا اور اگر تجھے مال چاہیے تو جتنا مانگے گا ملے گا اس پر آپؐ نے فرمایا: ثمامہ کو رہا کر دو! چنانچہ وہ رہا ہو کر مسجد کے قریب ہی کھجور کے درخت کے سایہ میں چلا گیا جہاں پر وہ پکارا اٹھا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمدؐ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسولؐ ہیں۔ اللہ کی قسم! اس روئے زمین پر مجھے آپؐ کے چہرے سے بڑھ کر کوئی چہرہ ناپسندیدہ نہیں تھا لیکن اب آپؐ کے چہرے سے بڑھ کر مجھے کوئی چہرہ محبوب نہیں ہے۔ اللہ کی قسم مجھے آپؐ کے شہر سے بڑھ کر کوئی شہر ناپسند نہیں تھا اور اب آپؐ کا شہر دنیا کے سارے شہروں سے بڑھ کر محبوب ہے۔

آپؐ کے گھوڑا سوار دستہ نے مجھے پکڑ لیا ہے جبکہ میں عمرہ کرنا چاہتا تھا آپؐ کیا فرماتے ہیں؟ جنابؐ نے اسے خوشخبری دیتے ہوئے عمرہ کرنے کا حکم دیا چنانچہ جب وہ مکہ مکرمہ پہنچا تو کسی مشرک نے اس سے پوچھا ثمامہ! کیا بے دین ہو گئے ہو؟ وہ بولا: نہیں! بلکہ میں جناب محمدؐ پر ایمان لا چکا ہوں۔ اللہ کی قسم! اب یمامہ سے تمہارے پاس گندم کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا جب تک

کہ آپؐ اس بارے میں کوئی حکم نہ فرمادیں۔(رواہ بخاری)

معطر سیرت رسولؐ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ آپؐ کو جس نے بھی ستایا آپؐ نے اسے معاف کردیا وہ اہل طائف ہوں یا اہل مکہ ومدینہ یا دیگر شہروں کے باشندے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:انہیں چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بھی معاف کردے۔(سورہ قدر)

اے ہمارے اللہ! ہمیں لوگوں سے درگزر کرنے والوں اور اپنی مخلوقات پر احسان کرنے والوں میں شمار فرما اور ہمیں وہ کام کرنے کی توفیق عطا فرما جن سے تو راضی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پسندیدہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

<u>رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی فضلیت</u>

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ جناب رسالت مآبؐ رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت کے لئے جس قدر متحرک ہوتے دوسرے دنوں میں نہیں ہوتے تھے۔ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ جب آخری عشرہ آتا تو آپؐ خود بھی راتوں کو قیام کرتے اور گھر والوں کو بھی بیدار کرتے اور عبادت کے لئے کمربستہ ہوجاتے۔(رواہ احمد)

آپؐ کا ارشاد گرامی ہے:

جس نے لیلۃ القدر کا قیام ایمان کی حالت میں اور ثواب کی نیت سے کیا اس کے گزشتہ سارے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔(متفق علیہ)

پرہیز گار ونیک لوگ ہر سال لیلۃ القدر کے لئے سراپا انتظار رہتے ہیں تاکہ اپنی ارواح ونفوس کو اس کی نورانی موجوں سے لطف اندوز کریں اور اپنے رب کی نوازشوں کو سمیٹیں جن کا اس نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو اس کی رات کا قیام کرتے اور سحری کو زندہ رکھتے ہیں۔

لیلۃ القدر کا بڑا مقام ومرتبہ اور عظمت وشرف ہے جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات میں قرآن پاک نازل کیا اور غروب آفتاب سے لے کر طلوع فجر تک اسے رحمتوں اور سلامتیوں کے نزول کا ذریعہ بنایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:ہم نے قرآن لیلۃ القدر میں نازل کیا۔(القرآن)

اللہ تعالیٰ نے اس رات قرآن پاک نازل کرکے اس کو بہت بڑا مقام عطا فرمایا اور اس نیک اعمال کا ثواب اس قدر بڑھادیا کہ وہ شرف وفضلیت میں ایک ہزار ماہ کی عبادت کے ثواب کے برابر ٹھہرا

ہے اور ایسا کیوں نہ ہوتا اس میں سب سے اعلیٰ کلام سب سے باعزت متکلم کی طرف سے سب سے بڑھ کر معزز پیغمبر ﷺ پر اور سب سے باعزت امت کے لئے نازل ہوا تھا۔

حسین بن فضیل سے کہا گیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے تقدیریں طے نہیں کر دی تھیں؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں ان سے دوبارہ پوچھا گیا پھر لیلۃ القدر کا کیا معنی ہے؟ فرمایا: تقدیروں کو ان کے طے شدہ اوقات پر لانا۔

اکثر علماء کا خیال ہے کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ایک رات ہوتی ہے۔

اس رات کے تعین کے حوالہ سے علماء میں اختلاف ہے جو کہ روایات میں اختلاف کی وجہ سے ہے۔ لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے وقت کو مخفی اس لئے رکھا ہے تا کہ بندہ متنوع دعاؤں اور عبادتوں سے اس کو تلاش کرے جس طرح دعا کی قبولیت کو مخفی رکھا ہے تا کہ بندہ اسے زیادہ سے زیادہ کرے اور جس طرح جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی کو پوشیدہ رکھا ہے تا کہ بندے اس کے اچانک آنے سے ڈرتے رہیں۔ جناب رسالت مآبؐ رمضان کے آخری عشرہ میں مسجد کے اندر اعتکاف کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ میں نے جناب رسالت مآبؐ سے پوچھا اگر مجھے لیلۃ القدر مل جائے تو میں کیا کہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ دعا پڑھو۔

اللھم انك عفو تحب العفو فاعف عنی ۔(رواہ احمد)

ترجمہ: اے میرے اللہ! تو سراپا بخشش کو پسند کرتا ہے لہٰذا مجھے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ان لوگوں میں سے بنائے جنہیں لیلۃ القدر کے قیام کی توفیق ملتی ہے۔

اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو اس کام کی توفیق عطا فرمائے جسے وہ پسند کرتا اور جس سے وہ راضی ہوتا ہے۔

## سنت اعتکاف

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ جناب رسالت مآبؐ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے تا آنکہ آپؐ وفات پا گئے پھر آپؐ کے بعد آپؐ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا۔ (راوہ بخاری مسلم)

**(ا) اعتکاف کے فوائد:**

اعتکاف ہر وقت مسنون ہے لیکن رمضان کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کی تلاش کے لئے افضل ہے۔

اگر کوئی شخص اعتکاف کی نذر مانتا ہے تو اس پر اعتکاف واجب ولازم ہو جاتا ہے۔

**(ب) اعتکاف کرنے کے لئے شرائط:**

اسلام، عقل مند ہونا اور ہر قسم کی نجاست سے طہارت و پاکیزگی۔ اگر عورت ہے تو ماہواری وزچگی سے صاف ہونا اعتکاف کی شرائط میں شامل ہے۔

نوٹ: اعتکاف کرنے والا اپنے اعتکاف کی جگہ سے بغیر ضرورت شرعی وطبعی اور غسل جنابت وغیرہ قطعاً نہیں نکل سکتا اور اگر اس نے ایسا کیا تو اس کا اعتکاف ختم ہوجائے گا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ آپ ﷺ اعتکاف کی جگہ میں بیٹھتے ہی میری طرف سر بڑھا دیتے تھے، میں آپ ﷺ کی کنگھی کر دیتی تھی اور آپ ﷺ بغیر ضرورت گھر نہیں آتے تھے۔ (رواہ بخاری)

نوٹ: اس حدیث سے معتکف کے لئے نظافت وغسل، خوشبو وزینت استعمال کرنے اور بشمول کنگھی کا جواز ملتا ہے۔

بخاری شریف کے باب اعتکاف میں بہت سی احادیث ہیں، نیز حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح ''فتح الباری'' میں ذکر کیا ہے کہ اعتکاف کے حوالہ سے مذکور احادیث سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ اعتکاف کرنے والا اپنے دوستوں اور اپنی بیویوں کی زیارت کرسکتا ہے اور اپنی بیوی سے تنہائی میں بات کرسکتا ہے اور جیسا کہ جناب رسالت مآبؐ کی بیویاں آپ ﷺ کے اعتکاف کی جگہ میں جا کر بات چیت کر لیتی تھیں۔

**(ج) اعتکاف کی شرائط:**

۱۔ نیت کرنا: آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے بلاشبہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

۲۔ مسجد میں ٹھہرنا: خواہ کم سے کم وقت کے لئے اور اگر وہ اس جگہ سے نکل گیا تو اسے اعتکاف کی نیت دوبارہ کرنے پڑے گی اور اگر اس نے اعتکاف کی نیت کی تو اسے اسی طرح اعتکاف کرنا ہوگا جس طرح کی اس نے نیت کی ہے، مثلاً اگر اس نے ایک رات کے اعتکاف کی نیت کی ہے تو وہ غروب آفتاب کے ساتھ اپنے اعتکاف کی جگہ میں داخل ہو اور طلوع فجر کے بعد وہاں سے نکلے۔

۳۔ اعتکاف کرنے والے کے لئے مستحسن ہے کہ وہ تلاوت قرآن، ذکر الٰہی، نماز، آپ ﷺ پر درود وسلام اور علم دین کے مطالعہ میں مشغول رہے۔

۴۔ اعتکاف کرنے والے کا قیل وقال اور لایعنی باتوں میں مشغول رہنا انتہائی ناپسندیدہ امر ہے۔

۵۔ اعتکاف کرنے والا کھانا وغیرہ لانے کے لئے اپنے گھر جا سکتا ہے اگر اس کے لئے کھانا لانے والا کوئی نہ ہو اسی طرح وہ کسی فوری ضرورت کے لئے بھی جا سکتا ہے۔

**(د)۔ اعتکاف سے مقصود بالخصوص ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں:**

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو کسی حکمت کے پیش

نظر ہی مخفی رکھا ہے اور کسی رات میں اس کی موجودگی کا تعین نہیں کیا ہے تا کہ رمضان کے آخری عشرے کی ساری راتوں کی عظمت بڑھے۔

چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ (رواہ بخاری)

**۱۔لیلۃ القدر کی تلاش:** اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ لیلۃ القدر ایک ہزار ماہ سے بہتر ہے اور آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے، جس شخص نے لیلۃ القدر کا قیام ایمان کی حالت اور ثواب کی نیت سے کیا اس کے گزشتہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ (رواہ بخاری ومسلم)

۲۔اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مکمل فراغت اور فانی دنیا سے مکمل دوری اور اللہ تعالیٰ کے ذکر واطاعت کے کاموں سے مساجد کی آبادی اور ان کی رونق بڑھانا۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ آپؐ ماہ رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں کو خود بھی جاگتے اور گھر والوں کو بھی جگاتے اور عبادت کے لئے کمربستہ ہوجاتے۔ (رواہ احمد)

خوش بخت ہے وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کے قیام کی توفیق دی اور وہ اس کی اطاعت کے کاموں اور ذکر میں مصروف رہا اور بدبخت ہے وہ شخص جسے شیطان نے عبادت کی فضلیت کے استفادہ سے محروم رکھا۔

اس لئے کہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ اسے آئندہ رمضان مل سکے گا یا نہیں یا وہ مردوں میں شمار ہوگا۔

اللہ ہم سب کو آپ ﷺ کی ہدایت کی پیروی کرنا نصیب فرمائے۔

## صدقہ فطر (فطرانہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ جناب رسالت مآبؐ نے صدقہ فطر (فطرانہ) فرض قرار دیا ہے جو کہ ایک صاع ہے تقریباً اڑھائی کلو غلہ/گندم اور یہ ہر آزاد غلام، مذکر ومونث اور مسلمانوں کے ہر چھوٹے وبڑے پر لازم ہے۔

نیز آپؐ نے یہ بھی حکم دیا کہ فطرانہ نماز عید کے لئے جانے سے پہلے پہلے ادا کردیا جائے۔ (رواہ بخاری)

فطرانہ اس لئے فرض ولازم قرار دیا گیا تا کہ عید کے دن غریبوں کے آنسوؤں کو پونچھ کر خوشی اور مسرت اور سعادت سے ان کے دلوں کو لبریز کیا جائے اور یہ بہت بڑی عبادت ہے۔

اسی لئے اسلام نے صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا اور ماہ رمضان کے روزوں کو اس وقت تک آسمان وزمین کے مابین معلق رکھا جب تک کہ فطرانہ ادا نہ کردیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے فطرانہ فرض کیا جو کہ روزہ دار کی

گناہ سے پاکیزگی اور غریبوں کو کھانا مہیا کرنے کا ذریعہ ہے جس نے فطرانہ نماز عید سے قبل ادا کر دیا تو اس کا مقبول ہے اور اگر نماز عید کے بعد ادا کیا تو یہ عام صدقات کی طرح ایک صدقہ شمار ہوگا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

شاید صدقہ فطر ''فطرانہ'' میں حکمت یہ ہے کہ روزہ میں لازماً کوئی نہ کوئی نقص و خامی رہ جاتی ہے جسے یہ صدقہ پورا کر دیتا ہے نیز یہ روزہ دار کو لغو و بے ہودگی سے پاک وصاف کرتا ہے۔

بلاشبہ، رات کے قیام اور صدقہ سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے بعض اسلاف کا کہنا ہے کہ نماز نمازی کو آدھی راہ تک لے آتی ہے اور روزہ بادشاہ کے دروازے تک لے آتا ہے جبکہ صدقہ مسلمان کو ہاتھ سے پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے جاتا ہے۔

جناب عمر بن عبدالعزیزؒ نے مختلف علاقوں میں یہ مکتوب بھیجا کہ رمضان کا اختتام استغفار اور صدقہ فطر پر کیا جائے۔

بلاشبہ صدقہ فطر روزہ دار کو لغو و بے ہودگی سے پاک وصاف کرتا اور استغفار روزہ کے دوران لغو و فحش گوئی سے واقع ہونے والی کمی کو دور کرتا ہے۔

لہٰذ ہمارے روزے نفع بخش اور استغفار اور نافع وشافع عمل صالح کے محتاج ہیں۔

صدقہ فطر ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو رمضان میں موجود ہو اور رمضان المبارک کے آخری دن کا سورج اس پر غروب ہوا اور اس کے پاس عید کی رات و دن کے لئے اتنا مال ہو جو اس کی خوراک سے زائد ہو۔ نیز یہ صدقہ ہر اس شخص کی طرف سے دینا ہوگا جس کا نان ونفقہ اس شخص کے ذمہ ہے۔

**صدقہ فطر کی مقدار:** صدقہ فطر اس شہر میں بطور خوراک کثیر الاستعمال جنس سے ایک صاع ہوگا جو کہ تقریباً عصر حاضر کے پیمانے کے مطابق اڑھائی کلو بنتا ہے۔ ہمارے ہاں اس جنس کو گندم کہیں گے۔

اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ کھانا بطور فطرانہ دیا جائے جبکہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کہ اس مقدار کی قیمت بھی نقدی کی صورت میں دی جاسکتی ہے اور آج یہی ضرورت مند کے لئے مفید اور مقصود کے حصول کے لئے زیادہ موزوں ہے۔

**صدقہ فطر کے وجوب کا وقت:** صدقہ فطر کے وجوب کا آغاز رمضان المبارک کے آخری دن غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے۔ یہ رمضان کے دنوں میں کسی دن بھی نماز عید سے پہلے پہلے دیا جاسکتا ہے اور یہ جائز ہے مگر نماز عید کے بعد اسے مؤخر کرنے سے انسان گہنگار ہوتا ہے۔ جبکہ اس کا افضل وقت یوم عید کی نماز فجر کے بعد اور نماز عید سے پہلے سے ہے۔

**صدقہ فطر کا مصرف:** صدقہ فطر آٹھ مصارف پر

خرچ کیا جا سکتا ہے جن پر زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے اور جن کا ذکر قرآن میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں فرمایا ہے۔

ترجمہ: بے شک صدقات فقیروں ومسکینوں، اس کے لئے کام کرنیوالوں، تالیف قلبی کے لئے، گردنیں آزاد کرانے ، تاوان میں دبے ہوئے لوگوں کو نجات دلانے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں کام کرنے والوں اور مسافروں کے لئے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ فریضہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور اس کی حکمت سے بھی آگاہ ہے۔(سورہ توبہ)

جناب رسالت مآبؐ کا ارشاد گرامی ہے:

روزہ دار کو دو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں جن سے وہ خوش ہوتا ہے۔

پہلی جب وہ روزہ افطار کرتا ہے اور دوسری جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرتا ہے تو اپنے روزہ سے خوش ہوتا ہے۔(رواہ بخاری)

عید کے آداب ومستحبات

عید کے کچھ آداب ومستحبات ہیں جن کا ذیل میں ہم اختصار سے ذکر کرتے ہیں۔

**۱۔عید کی رات عبادت(نماز،ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن) میں گزارنا:** اس لئے جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا جس نے عیدالفطر اور عید قربان کی رات عبادت میں گزاری اس کا دل اس دن زندہ رہے گا جس دن دل مردہ ہوں گے۔(طبرانی)

نوٹ: ان دونوں کاموں کے ہم پلہ نماز فجر اور عشاء باجماعت ادا کرنا ہے۔

**۲۔مسلمان کے لئے اس دن درج ذیل امور سرانجام دینا مستحسن ہے:** غسل، خوشبو اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر واعتراف اور اظہار کے لئے دستیاب خوبصورت ترین کپڑے پہننا۔

جناب رسالت مآب ﷺ عید کے دن غسل فرماتے اور خوشبو استعمال کرتے۔خواہ گھر کے کسی دوسرے فرد سے لینی پڑتی۔

اور آپؐ اپنے پاس موجود دھاری دار سرخ چادر عید کے روز زیب تن کرتے جیسا کہ متعدد احادیث میں اس کا ذکر ہے۔

رہی عورتیں تو انہیں بھی اپنے گھروں میں بننا وسنورنا چاہیے لیکن جب وہ باہر نکلیں تو شرم وحیا سے نکلیں اور خود نمائی وتیز خوشبو کے استعمال سے بچیں کیونکہ اس میں فتنہ ہے۔

**۳۔اگر عذر شرعی نہ ہو تو نماز عید کے لئے پیدل چل کر جانا چاہیے:** حضرت علیؓ کا قول ہے، سنت یہ ہے کہ عید کے لئے پیدل چل کر جایا جائے۔اس لئے کہ جناب رسالت مآب ﷺ نہ تو جنازہ میں اور نہ ہی نماز عید کے

لئے سوار ہوکر تشریف لے جاتے تھے۔

اور یہ بھی مسنون ہے کہ ایک راستہ سے عیدگاہ جایا جائے اور دوسرے راستہ سے آیا جائے کیونکہ اس میں ثواب بھی زیادہ ہے اور مسلمانوں کی بڑی تعداد سے ملاقات بھی ہوجاتی ہے۔

۴۔عیدالفطر کی نماز کے لئے نکلنے سے پہلے چند کھجوریں کھانا سنت ہے: جس سے مقصود اس بات کا اظہار ہے کہ روزے ختم ہوگئے ہیں نیز یہ سنت نبویؐ کی پیروی بھی ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جناب رسالت مآب ﷺ عیدالفطر کے دن نماز عید کے لئے نکلنے سے پہلے طاق کھجوریں کھاتے تھے۔(رواہ بخاری)

۵۔ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ عید کے روز اپنی مالی استطاعت کے مطابق اپنے بچوں اور اہل خانہ پر خرچ کرے۔

عید کے دن اہم ترین کاموں میں سے ایک اہم کام جس میں کسی مسلمان کو تساہل نہیں کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے چہروں پر خوشی ومسرت لانے کی حتیٰ المقدور کوشش کی جائے اور عزیز واقارب اور دوستوں کی ملاقات وزیارت کی جائے اس سے بھائی چارہ وقرابت داری مضبوط ہوتی ہے اور تعلقات منقطع نہیں ہوتے اور ایک دوسرے سے دوری نہیں ہوتی۔

لہٰذا میرے مسلمان بھائی! آپ کی عید اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزرنی چاہیے اور ہر وہ دن جس میں ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کریں وہ یوم عید ہے۔

**ماہ شوال کے چھ روزے:** جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر ساتھ ہی ماہ شوال کے چھ روزے بھی رکھ لئے گویا اس نے سارے سال کے روزے رکھے۔(رواہ مسلم)

آپؐ کی تعلیم وہدایت تھی کہ ایک اطاعت سے دوسری اطاعت اور ایک عبادت سے دوسری عبادت کی طرف جایا جائے۔

درج بالا حدیث شریف میں آپؐ کی طرف سے رمضان کے بعد روزے ترک نہ کرنے کی دعوت اور شوال میں نفلی روزے رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی مشہور احادیث ہیں جن میں سوموار، جمعرات، ہر ماہ کے تین، غیر حاجی کے لئے یوم عرفہ کا روزہ اور دس محرم کا روزہ رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

آپؐ کے اس فرمان ''گویا اس نے سارے سال کے روزے رکھے۔'' کا مفہوم یہ ہے کہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ملتا ہے اور تنہا رمضان ثواب میں دس مہینوں کے برابر ہے اور شوال کے چھ روزے دو مہینوں کے برابر ہیں۔

رچرڈ اینگل
ترجمہ: ڈاکٹر مقبول احمد شاہد

# ڈرون آپریٹر کا عبرتناک انجام

لہٰذا جس شخص نے شوال کے چھ روزے رکھے (ماہ رمضان کے روزوں کے بعد) گویا اس نے مکمل سال کے روزے رکھے۔

ماہ شوال کے چھ روزوں میں تسلسل وتواتر ضروری نہیں ہے بلکہ جائز ہے کہ متفرق طور پر بھی رکھ لئے جائیں۔

نوٹ: یہاں ہم نفلی روزوں کی عمومی فضلیت بھی بہرحال ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

آپؐ کا فرمان ہے: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک دن روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو جہنم سے ستر برس کی مسافت کے بقدر دور کرے گا۔ (متفق علیہ)

اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا: سردی میں روزے غنیمت باردہ ہیں۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ روزدار کو مشقت وتکلیف اٹھائے بغیر ثواب ملتا ہے۔ ایک اثر بھی ہے کہ سردی مومن کا موسم بہار ہے وہ اس کے چھوٹے دن کا روزہ رکھتا ہے اور اس کی لمبی رات کو قیام کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی اطاعت قبول فرمائے اور ہمیں اور آپ کو جناب رسالت مآب ﷺ کی ہدایت کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔

جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب اعمال وہ ہیں جو ہمیشگی سے کیے جائیں خواہ وہ تعداد ومقدار میں کم ہی ہوں۔ (متفق علیہ)

☆☆☆

یہ برینڈن برائنٹ(Brandon Brayant) کی کہانی ہے جوامریکن ائیرفورس میں ملازم تھااوراس ٹیم کا رکن تھا جسے ڈرون حملے کرنے کا ظالمانہ مشن سپرد کیا گیا تھا۔اس نے2005ء سے2011ءتک پورے پانچ سال یہ ڈیوٹی سرانجام دی اور اس دوران 1600سے زائد انسان اس کے ڈرون حملوں کا شکاہوئے۔ برائنٹ اپنی یاداشتوں کوٹٹولتے ہوئے بیان کرتاہے کہ اسے اب بھی وہ پہلاشخص یاد ہے جواس کے حملے سے زخمی ہوا،اس کا خون تیزی سے بہہ رہا تھا اور وہ اس کے دیکھتے دیکھتے ہلاک ہوگیا۔ یہ سب کچھ برائنٹ کے کنڑول روم سے ہزاروں میل دور ہورہا تھا لیکن وہ یہ سب کچھ اپنے کمپیوٹر کی سکرین پر دیکھ رہا تھا۔

برائنٹ اس وقت امریکہ کے شہر نوادا کے ائیرفورس بیس میں اپنے کنڑول روم میں آرام دہ کرسی پر بیٹھا ہواتھا اور کیمرے سے سارے منظر کا مشاہدہ کررہاتھا جب اس کی ٹیم نے نوادا سے آدھی دنیا پار افغانستان میں سڑک پر پیدل چلتے ہوئے تین آدمیوں پر ڈرون سے دو میزائل فائر کیے اور وہ تینوں ان میزائیلوں کی زدمیں آگئے۔اس حملے کے بعد جو کچھ ہوا وہ برائنٹ اپنے کمپیوٹر کی سکرین پر دیکھ رہاتھا۔''ان جسموں کے گردخون ہی خون تھا جوسڑک پر بہہ رہا تھا۔ا ن تین آدمیوں میں جوسب سے آگے تھااس کی دائیں ٹانگ اڑ چکی تھی اور اس کا بہتا ہوں خون میں دیکھ رہاتھا۔میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا۔ میں اپنی سکرین پراس منظر کا ایک ایک نقطہ واضح طور پر دیکھ رہاتھا۔اب بھی میں آنکھیں بند کروں تو پورا منظر میرے سامنے آجاتاہے۔'' یہ برائنٹ کی یاداشتوں پر مشتمل اس کا بیان ہے اوراب اسے ایک نفسیاتی مرض post Traumatic Stress Disorder کا مریضقرار دیاجا چکاہے۔ یہ ذہنی مرض ان لوگوں کو ہوتاہے جو جنگ کے دوران مسلسل قتل،ظلم اور بربریت کے واقعات دیکھتے ہیں۔ان کے ذہن پر یہ واقعات اس طرح مسلط ہوجاتے ہیں کہ وہ ان کو بھلانہیں سکتے اورایک دباؤStress کی کیفیت پیداہوجاتی ہے جوان کی روزمرہ کی معمول کی زندگی اور طرز عمل پر اثرانداز ہوتی ہے۔

برائیٹ جس کی عمر ابھی صرف 27سال ہے

پورے پانچ سال تک نوادا، نیومیکسیکو اور عراق میں فوجی اڈوں پر ڈیوٹی سرانجام دیتا رہا ہے اور بغیر پائلٹ کے اڑنے والے ڈرون طیاروں کو افغانستان اور عراق میں حملوں کیلئے بھیجتا رہا ہے۔ اگرچہ اس نے ان طیاروں سے میزائل خود فائر نہیں کئے تھے لیکن وہ ان مہمات پر عمل درآمد کرنے والی ٹیم کا حصہ رہا ہے جن میں 1626 افراد ہلاک ہوئے۔

برائنٹ روایتی بمبار طیاروں سے ڈرون حملوں کا مقابلہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ''ان میں حملہ آور جسمانی طور پر پوری کارروائی سے الگ رہتا ہے نا ہوائی جہاز کے انجنوں کی تھرتھراہٹ، نہ جہاز مڑنے کا احساس، ہم صرف کمپیوٹر کی ہلکی سی آواز سنتے ہیں لیکن کارروائی کے مقام سے واپس آنے والی تصویریں اصلی ہوتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ڈرون حملے توپ کے گولوں کی طرح ہیں۔ لیکن توپچی اپنی کارروائی کا نتیجہ دیکھ نہیں سکتا۔ لیکن ہمارے لئے یہ بہت قریب ہوتا ہے، ہم سب کچھ دیکھ رہے ہوتے ہیں۔''

برائنٹ کی اپنی زبان میں وہ مونٹانا قصبے کا ایک بھولا بھالا کم عمر لڑکا ہی تھا جب وہ 2005ء میں 19 سال کی عمر میں ائرفورس میں بھرتی ہوا۔ جب اس نے سارے ٹیسٹ اچھے نمبروں میں پاس کر لئے تو بھرتی کرنے والے افسر نے اس سے کہا کہ ڈرون اپریٹر کے طور پر وہ ایک طرح سے جیمز بانڈ کی کسی جاسوسی فلم میں کنٹرول روم میں بیٹھے چست نوجوان کی مانند ہوگا۔ جو اپنے ایجنٹوں کو اہم معلومات پہنچا رہا ہوتا ہے تاکہ وہ اپنا مشن مکمل کر سکیں۔

برائنٹ اور اس کی ٹیم کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ اپنے ڈرون جہازوں کے ذریعے گشت کرتے ہوئے امریکی فوجی دستوں کی مدد اور حفاظت کریں۔ ''لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ہم اپنی کمپیوٹر سکرین پر دشمن کے کارندوں کو سڑک کے درمیان میں دھماکہ خیز مواد دباتے ہوئے دیکھتے لیکن ہمارے پاس کوئی ذریعہ اس علاقے میں اپنے فوجیوں کو خبردار کرنے کا نہ ہوتا اور ہم بے بسی سے یہ سب کچھ دیکھتے رہتے یہاں تک کہ ایک امریکی فوجی گاڑی اوپر سے گزر جاتی اور تباہ ہو جاتی۔ اسی طرح کے ایک واقعے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ تین امریکی فوجی مارے گئے۔''

برائنٹ جب موت کے اس کھیل میں عملاً شریک ہوا تو جیمز بانڈ فلموں کے پرفریب کردار سب غائب ہو گئے۔ اور اس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ ''اس طرح یہ کوئی ویڈیو گیم نہیں ہے نا ہی یہ کوئی خیالی دنیا ہے، یہ جنگ ہے جہاں لوگ مرتے ہیں۔''

برائنٹ نے مزید کہا کہ ''وہ جتنا عرصہ بھی ڈرون اپریٹر رہا وہ اور اس کی ٹیم، اور اس کے کمانڈنگ افسر اکثر

یہ کوشش کرتے رہے کہ شہری آبادی کا جانی نقصان نہ ہو،لیکن وہ اس بات پر حیران تھا کہ زمین پر حقیقی دشمن کون ہیں جن کو نشانہ بنایا جائے، اور کیا ہمارا نشانہ بننے والے واقعی ہمارے لئے خطرہ تھے۔ اسے ابھی تک یہ یقین کہ آیا وہ تین افراد جن کو افغانستان میں ایک سڑک پر چلتے ہوئے نشانہ بنایا گیا، کیا وہ واقعی طالبان جنگجو تھے، یا وہ بس عام افغانی شہری تھے جن کے پاس بندوقیں تھیں کیوں کہ افغانستان جیسے ملک میں اگر لوگ اپنے پاس بندوق رکھتے ہیں اور یہ تینوں افراد امریکی فوجی دستے سے پانچ میل دور تھے اور آپس میں کسی بات پر بحث کررہے تھے جب پہلے میزائل نے انہیں نشانہ بنایا۔'' برائنٹ نے مزید کہا ''وہ تینوں افراد کسی جلدی میں نہیں تھے۔ وہ اپنے معمول کے کام میں مصروف تھے، اور غالباً ان کے پاس بندوقیں بھی نہیں تھیں،لیکن میں اپنے آپ کو اس پر قائل نہیں کرسکا تھا کہ وہ واقعی کوئی برے لوگ تھے،لیکن ایک 21 سالہ ائیرمین کی حیثیت میں میری اوقات نہیں تھی کہ میں اپنے افسروں سے اس موضوع پر کوئی سوال کرسکتا۔''

برائنٹ نے کہا کہ ''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اسی طرح کی ایک کارروائی میں میزائل فائر کرنے سے پہلے میں نے اپنی کمپیوٹر سکرین پر یقیناً ایک بچے کو بھاگتے ہوئے دیکھا تھا لیکن میرے ساتھی مجھے یہی کہتے رہے کہ وہ دراصل ایک کتا تھا جو دوڑ رہا تھا۔''

برائنٹ نے مزید کہا۔ ''چند سالوں میں اس طرح کی سینکڑوں کارروائیوں میں حصہ لینے کے بعد میرے دل سے انسانی زندگی کا احترام رخصت ہوگیا، اور میں اپنے آپ کو ایک معاشرتی مریض خیال کرنے لگا۔2010ء کے دور میں جب میں اپنے کام پر آتا تو دیوار پر لگی بہت سی تصویروں پر نظر ڈالتا جنہیں ابھی ڈرون حملوں کا نشانہ بنایا جانا تھا۔ان میں انورالاولاکی اور دوسرے القاعدہ اور طالبان لیڈروں کی تصویریں ہوتیں۔ اور میں دل ہی دل میں سوچتا کہ دیکھیں آج ان میں سے کس کس کی موت آتی ہے۔''

2011ء میں ڈرون اپریٹر کی حیثیت سے برائنٹ کا کردار اختتام کو پہنچا۔ اس کے کمانڈر نے اس کی کارکردگی کو سراہتے ہوئے یہ رپورٹ پیش کی کہ اس نے جن کارروائیوں میں حصہ لیا ان کے نتیجے میں 1626 افراد ہلاک ہوئے۔ اس پر برائنٹ نے کہا کہ ''میں اس بات سے زیادہ خوش ہوتا اگر رپورٹ پر مشتمل وہ کاغذ کا ٹکڑا مجھے نہ دکھایا جاتا۔ میں نے امریکی فوجیوں کو مرتے دیکھا تھا۔ بے گناہ لوگوں کو مرتے دیکھا تھا اور دہشت گردوں کو بھی مرتے دیکھا، اور یہ کوئی خوب صورت بات نہیں تھی۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو میں حاصل کرنا چاہتا تھا.....ایسی پسند''

# حمدِ ربِ جلیل

خامیاں دیکھ کر گفتار میں کردار میں تو
مبتلا رہنے نہیں دے مجھے آزار میں تو
خامہ و دستِ قلم کار میں گفتار میں تو
لفظ و معنیٰ سے مُرصع مرے افکار میں تو
دائرہ فکر و نظر کا ہو میسر مجھ کو
صورتِ یاس نہ رہ چشمِ طلب گار میں تو
واقعہ یہ ہے کوئی حمد نہیں لکھ سکتا
جب تلک خود نہ پکارے اسے دربار میں تو
روشنائی کو عطا روشنی کرنے والے
چاہے تو بجلیاں بھر دے مرے اشعار میں تو
دشتِ بے آب میں اک عمر سے ترسی ہوئی ہیں
رَم کریں آنکھیں انہیں رکھے جو گلزار میں تو
سلسلہ ہائے نفس تیرے اشاروں پہ رہے
موجزن خون کو رکھے دل بیمار میں تو
ڈوبتی ناؤ ہے ساحل کی تمنا میں جہاں
دستِ ملّاح میں رکھے ہوئے پتوار میں تو
روزوشب نان ونمک مجھ کو فراہم کرکے
مجھ کو بکنے نہیں دیتا کسی بازار میں تو
میں کہ اک عمر خطا کار رہا میرے خدا
فیصلہ تیرا رکھے نور میں یا نار میں تو
تیرا یہ کہنا ہے نزدیک رہے شہہ رگ سے
چشمِ ظاہر کہے پوشیدہ ہر اسرار میں تو

(سیدانورجاویدہاشمی)

# غزل

باتوں باتوں میں دہرائی جاسکتی ہے
پَل پَل بچوں کو سمجھائی جاسکتی ہے

نیت کا بھی اجر، عمل جیسا ہوتاہے
نیکی ہر صورت سے کمائی جاسکتی ہے

مل جل کر نفرت کی جھیل کو صاف کریں ہم
دل میں جمی مُدّت کی کائی جاسکتی ہے

سچ تو یہی ہے جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے ہیں
بات یہ سچی سب کو بتائی جاسکتی ہے

اس کو خیالِ خام سمجھ کر دل سے نکالا
بات زبردستی منوائی جاسکتی ہے

ہم نے غزل میں اس کا سراپا لکھ ڈالا ہے
دل میں جو تصویر لگائی جاسکتی ہے

بامِ فلک پر جن کی قسمت لکھی گئی ہو
اُن ذہنوں سے کب دانائی جا سکتی ہے

(سیدانورجاویدہاشمی)

# بنام عافیہ

وہ جو پنجروں میں اغیار کے بند ہیں
ان سے کہہ دو کہ ہم ان سے غافل نہیں
نیم شب کی دعائیں ہوں یا رتجگے
کون سی ہے دعا جس میں شامل نہیں

آفرین آفرین انتخابِ خدا
تیری عظمت کہ مثلِ صحابہؓ رہی
تجھ کو اربوں میں تنہا اٹھایا گیا
تو کہ دینِ نبیؐ کا اثاثہ بنی

عافیہ صنفِ نازک تو ہیں ہم مگر
حرمتِ دیں پہ کٹنے کو تیار ہیں
تو نے راہِ عزیمت دکھائی ہمیں
دل شہادت کے جذبے سرشار سے ہیں

لمحہ لمحہ تری یاد سجدوں میں ہے
اشک بہہ بہہ کے تھمتے نہیں عافیہ
تیری یادوں میں بے بس تری بہنوں کے
ہاتھ اٹھ اٹھ کے تھکتے نہیں عافیہ

تیری خاطر عدو سے نہ لڑ پائیں تو
اس کا مطلب نہیں تجھ سے غافل ہیں ہم
عافیہ درد سینوں میں تھمتا نہیں
بے بسی بے کلی کے مقابل ہیں ہم

جو صحابہؓ کے نقشِ قدم پر چلی
تیری جنت کی عظمت پہ حیراں ہیں ہم
تیرے بچوں کی صبر و رضا دیکھ کر
تیرے گھر کی فضیلت پہ قرباں ہیں ہم

تیری جنت کو جا کے بتائے کوئی
تیری بہنا کے جذبے بڑھائے کوئی
ان سے کہہ دے کہ تنہا وہ ہرگز ہیں
نغمۂ درد ان کو سنائے کوئی

جذبۂ دل دعاؤں سے تحریر ہے
اک مقدس گھرانے کی تصویر ہے
بس یہی ہے مرے آنسوؤں کا پیام
عافیہ کے گھرانے کو ڈھیروں سلام

عذرا مریم خان

# غزل

ترے قریب سے گزرے تجھے پکار چلے
تجھے خبر ہی نہیں تیرے جاں نثار چلے

تری گلی میں ہم آئے تو کیفیت یہ تھی
کہ بار بار رُکے اور بار بار چلے

جنون راہِ طلب میں ہے راہبر میرا
کہاں کی عقل کہاں دل پہ اختیار چلے

وہ چند لمحے جو گزرے تھے تیرے ساتھ کبھی
اسی متاع سے اس دل کا کاروبار چلے

وہ صرف تجھ سے بچھڑنے کی شب نہ تھی ہمدم
بڑی شدید تھی آندھی بڑے غبار چلے

نظر کے تیر سے بچنا بھی معجزہ تھا کوئی
دلِ غریب پہ کس کس طرح سے وار چلے

تری پناہ سے نکلے تو پھر اماں نہ ملی
''جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے''

کسے خبر ہے مکینوں پہ ہائے کیا گزری
اُبلتے دریا مکانوں کے آرپار چلے

جو اپنی چھت کے تلے بے خبر تھے دنیا سے
نکل کے اپنے گھروں سے بحالِ زار چلے

کروں جو مدح تو ہو مدحِ مصطفیٰؐ شبنم
کوئی بھی ذکر ہو یہ ذکرِ خوشگوار چلے

(شبنم طارق)

اب جبکہ برائنٹ امریکن ائیرفورس چھوڑ چکا ہے اور واپس مونٹانا اپنے گھر میں رہ رہا ہے ۔ اب وہ کہتا ہے کہ وہ اس بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا کہ ان1626 افراد کی فہرست میں سے کتنے بے گناہ ہوں گے۔ایسا سوچنا میرے دل کو شق کئے دیتا ہے۔''

سابق فوجیوں کی بہبود کے امریکی ادارہVeterans Adminestration نے برائنٹ کو Post Traumatic Stress Disorder کا مریض قرار دیا ہے، اور اس کیلئے اس کا نفسیاتی علاج جاری ہے۔ برائنٹ کہتا ہے کہ اس کی اس بیماری کی وجہ سے اس پر غصے کی کیفیت طاری رہتی ہے وہ بے خوابی کا شکار ہے، اور بے تحاشا شراب نوشی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ''میں روزمرہ کے معاملات میں عام اوسط درجے کے لوگوں سے میل جول نہیں رکھ سکتا۔میں بے حد مایوس (ناامید) ہوجاتا ہوں۔ان لوگوں کو احساس نہیں ہے کہ وہاں (ڈرون حملوں کی جگہ) کیا ہورہا ہے۔عام لوگوں کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔'' وہ اس بات سے جھجھک محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی زندگی میں اس سے ملنے والے لوگوں کو یہ بتائے کہ وہ کیا کرتا رہا ہے۔

''جب میں نے ایک عورت کو یہ بات بتائی کہ میں ڈرون اپریٹر رہ چکا ہوں اور میری کارروائیوں سے اتنے لوگ مارے گئے تھے تو اس نے مزید بولنے سے

# خامہ انگشت بدنداں ہے

مجھے روک دیا اور وہ مجھے ایسے دیکھنے لگی جیسے میں کوئی بلا
ہوں اور اس کے بعد وہ مجھے چھونا بھی نہیں چاہتی تھی۔''
(دی نیوز ڈیلی، 7 جون 2013ء)

☆☆☆

میرے بچوں کو اپنے بچپن کے دوران کھیل کود سے خصوصی دلچسپی تھی۔ روزانہ شام کو وہ گھر کے سامنے میدان میں کھیلنے کیلئے نکل جاتے۔ کبھی کبھار ان کی اس باقاعدگی سے مجھے بے حد کوفت ہوتی اور میں اس کا برملا اظہار بھی کر دیتی لیکن ابی جان ہمیشہ ان کی وکالت پر اتر آتے وہ مجھے سمجھاتے ہوئے کہتے.....

''دیکھو! بچوں کیلئے صحت مند مثبت تفریح کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ کھیل کے میدان میں عملی زندگی کے جو سبق وہ اپنے ہم عمر دوستوں سے سیکھ لیں گے وہ ان کے کام آتے رہیں گے۔''

میں ان سے پوچھتی۔

مثلاً کون سے سبق ابی جان.....؟

وہ کہتے.....

''ان کو اسی دنیا میں انہی لوگوں کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرنا ہے۔ جب وہ کھیل کے میدان میں اپنے دوستوں کے ساتھ ہوتے ہیں تو وہ سیکھ جاتے ہیں کہ ان کو دوسرے لوگوں کے ساتھ کیسا رویہ رکھنا چاہیے، کیسے دوسروں کو برداشت کرنا چاہیے کیسے دوسروں کا خیال رکھنا چاہیے، کیسی عادات، اخلاق اور رویہ اپنانا چاہیے کہ دوسرے ان کی محبت کے متمنی ہوں اور ان سے کنارہ کشی نہ کریں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس

طرح بچے ہار سے دل شکستہ نہیں ہوتے بلکہ وہ ہارنے کو معمول کا ایک واقعہ سمجھ کر اسے نظر انداز کر کے تازہ دم ہو کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔''

ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ کہتے.....

''جب کبھی گھر میں تم بچوں کیساتھ لڈو یا کیرم وغیرہ کھیلتی ہو تو تمہاری انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ تم ہار جاؤ اور تمہارا بچہ جیت کی خوشی سے ہمکنار ہو جائے۔ حالانکہ بچے کو جیت سے زیادہ ہار کا ردِعمل سکھانے کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ وہ زندگی کی ناکامیوں اور محرومیوں کا صبر سے ڈٹ کر مقابلہ کر سکے۔ بچپن میں کبھی کبھار کی ناکامی اور کچھ محرومی کا تجربہ حاصل کر لینا بہت اہم ہے۔ محرومی ذہن کو مہمیز دیتی ہے۔ انسان کو عمل کیلئے ابھارتی ہے۔ اسے حقیقت شناس بناتی ہے، اسے مضبوطی عطا کرتی ہے اسے متحرک کر دیتی ہے اور پھر قدرے انتظار اور تگ و دو کے بعد جو کامیابی ملتی ہے وہ اسے خود اعتمادی اور خوشی سے سرشار کر دیتی ہے۔ یہی زندگی کا حسن ہے پلٹ کر جھپٹنا، جھپٹ کر پلٹنا۔''

اس کے بعد وہ بہت شفقت سے کہتے ''تم جانتی ہو کہ سویڈن دنیا کا امیر ترین ملک ہے وہاں زندگی کی بے شمار سہولیات ہر عام شہری کو میسر ہیں وہ لوگ جب کوئی چیز خریدنا چاہتے ہیں تو حکومت فوری طور پر ان کی خواہش کو پورا کرنے کیلئے مالی وسائل مہیا کر دیتی ہے۔ اس صورتحال کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ خودکشیاں سویڈن کے شہری کرتے ہیں۔ کیونکہ حکومت نے ان کو ہر قسم کی محرومی سے محروم کر دیا ہے۔ ان کی زندگیوں میں جمود طاری ہو گیا ہے، اب وہ تگ و دو کریں تو کس لیے، خواب دیکھیں تو کس لیے، دوڑ دھوپ کریں تو کس لیے، جدوجہد کریں تو کس لیے، جئیں تو کس لیے، ایسی بے حس و حرکت اور بے مقصد زندگی سے اکتا کر وہ موت کو گلے لگا لیتے ہیں۔''

بچوں کے بارے میں میری اور ابی جان کی سوچ قدرے مختلف تھی۔ جب بھی ہم دونوں اس بارے میں گفتگو کا آغاز کرتے تو میں ایک ایسی نادان انجان ماں بن بیٹھتی، جس کا دل چاہتا تھا کہ بچوں کا ہاتھ پکڑ کر انہیں علم و ہنر کے آسمان کا سورج بنا دیا جائے۔ بس جھٹ پٹ انہیں قوس قزح کی بلندی تک لے جایا جائے۔ ان کے راستے کی ہر رکاوٹ دور کر کے انہیں کامیابیوں کی معراج تک پہنچا دیا جائے۔ میں ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتی تھی۔ اپنے اس خواب کو پانے کیلئے میں انہیں کھیل کے میدان سے دور کرنا چاہتی تھی۔ ہم دونوں کی اس گفتگو کے دوران ابی جان ایک شرارتی، نٹ کھٹ، چلبلے اور زندگی کے میلے سے چھوٹی چھوٹی معصوم خوشیاں کھوج کر ان سے جی بھر کر لطف اندوز ہونے والے شوخ و شنگ بچے کے روپ میں جوش و خروش کے ساتھ بولتے چلے جاتے تو کبھی کسی دانشور کی زبان میں دلائل دیتے چلے جاتے۔

ان ہی دنوں کی بات ہے کہ مکئی کے دانے بیچنے والا حیات خان نامی ایک لڑکا بھی روزانہ شام کو بچوں کے ساتھ کھیلنے کیلئے وہاں پہنچ جاتا۔ وہ آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ صبح وہ ایک سرکاری سکول میں پڑھنے کیلئے جاتا اور شام کو مکئی کے دانے بھون کر بیچتا۔ کھیل کے میدان کے قریب پہنچ کر وہ اپنی ریڑھی ایک طرف کھڑی کر کے کھیل میں شامل ہو جاتا۔ چونکہ وہ کرکٹ کا بہت اچھا کھلاڑی تھا اس لیے ہر ٹیم اسے ہاتھوں ہاتھ لیتی۔

ایک دن بچوں نے مجھے بتایا کہ آج حیات خان بہت پریشان تھا۔ سب کے اصرار کے باوجود وہ کھیلا بھی نہیں اور میدان کے ایک کونے میں گم صم ہو کر بیٹھا رہا۔ میں نے بچوں سے کہا کہ حیات خان کو اپنے ساتھ گھر لے کر آنا۔ میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں دوسرے دن بچے اسے لے کر میرے پاس آ گئے۔ میں نے پوچھا۔

حیات خان کیا بات ہے؟ تم پریشان کیوں ہو؟

وہ افسردگی سے کہنے لگا۔

''اماں جی! امارے سکول کا چھت بیٹھ گیا ہے ابا کہتا ہے کہ اس کا مطبل یہ ہے کہ اللہ کو اب تمہارا پڑھائی منظور نہیں۔ اب تم پڑھائی چھوڑ کر صبح صبح ریڑھی لے کر گھر سے نکل جایا کرو۔''

یہ کہہ وہ خاموش ہو گیا اور اس کے دل کا کرب اس کی آنکھوں سے جھانکنے لگا۔

میں نے کہا۔

''حیات خان یہ تو کوئی مسئلہ نہیں تم کسی دوسرے سکول میں داخلہ

لے لو۔'' وہ کہنے لگا۔

''اماں جی ہمارے گھر کے پاس کوئی سرکاری سکول نہیں سب دور دور ہے۔'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کیا واقعی آس پاس کوئی اور سکول نہیں؟'' وہ کہنے لگا۔

''بس ایک سکول ہے وہ سرکاری نہیں..... اس کا فیس بوت ہے.....350 روپے ہر مہینہ.....ام وہ کہاں سے دے گا.....؟''

یہ کہہ کر وہ پرامید نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

آج سے چودہ پندرہ سال پہلے 350 روپیہ خاصی معقول رقم تھی۔ میں جانتی تھی کہ ہر ماہ باقاعدگی سے یہ پیسے ادا کرنا میرے لیے مشکل ہو گا۔ لہٰذا حیات خان کی بات سن کر میں گہری سوچ میں گم ہوگئی۔ دل نے کہا۔

''حامی بھر لو۔ اگر حیات خان کی جگہ اس وقت تمہارا اپنا بچہ تمہارے سامنے کھڑا ہوتا تو کیا تم لمحہ بھر کے لئے بھی سوچتیں تم تو اپنی جان پر کھیل کر بھی بخوشی بلا تامل یہ ذمہ داری اٹھا لیتیں۔ اب کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیا تمہاری مامتا کے سوتے خشک ہو گئے ہیں؟ کیا جذبات کی وادی بنجر ہوگئی ہے؟ بولو..... چپ کیوں ہو.....؟

''کچھ تو کہو.....''

لیکن دماغ نے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔

''باؤلی ہوگئی ہو کیا حقیقت کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو.....اس کا سامنا ہمیشہ جذبات سے بالاتر ہو کر کرنا چاہیے کیسے انتظام کرو گی..... اتنے پیسوں کا..... کہاں سے لاؤ گی یہ رقم..... دو چار دن کی بات تو نہیں..... یہ تو طویل عرصے تک چلنے والا سلسلہ ہے اپنی اوقات کو پہچانو اور اسے یوں ہی لوٹ جانے دو.....''

چنانچہ میں نے دماغ کی بات کو مان لیا اور چپ رہی۔ چند لمحوں کے بعد میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ خاموش کھڑا تھا لیکن اس کی آنکھیں مجھ سے التجا کر رہی تھیں'' اماں جی۔ مجھے یوں نہ لوٹاؤ۔ کچھ تو کہو۔ صرف دو بول تسلی کے، جھوٹی تسلی کے مجھے بکھرنے سے بچا لو۔ مصنوعی، بے معنی، بے وقعت اور کبھی پورے نہ ہونے والے الفاظ ہی میری جھولی میں ڈال دو۔ مجھے بچا لو۔''

لیکن اب میں بھی اس کے ابا کی طرح اس بات کی قائل ہوگئی تھی کہ اللہ کو اب اس کی پڑھائی منظور نہیں۔ چند لمحے وہ منتظر کھڑا رہا لیکن پھر جلد ہی میرے کچھ کہے بنا اس نے میرے دماغ کا فیصلہ سن لیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے پاؤں گویا من من کے ہو گئے۔ اس کے ماتھے پر ننھی ننھی باریک لکیروں کی شکل میں پریشانی ثبت ہوگئی۔ اسے دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے چند لمحوں میں ہی اس کے چہرے سے بچپن کی معصومیت اور بھولپن رخصت ہو گیا تھا اور اب اس کا متفکر چہرہ اس کے بڑھاپے کی دھندلی سی تصویر بن کر رہ گیا تھا۔ اس نے ایک دفعہ پھر رحم طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا لیکن جب اسے کوئی امید افزا خبر نہ ملی تو اس نے مایوسی سے سر جھکا لیا وہ پلٹ گیا اور آہستہ آہستہ بوجھل قدم اٹھاتے ہوئے واپسی کی راہ لی۔

میں بت بنی کھڑی اسے واپس جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی کہ اچانک میرے وجود کے اندر میرے دل نے میرے دماغ کے خلاف بغاوت کر کے اسے مات دے دی اور میری زبان میرے ہی جذبات کی یورش سے مغلوب ہو کر میرے دل کی رفیق بن گئی اور میں نے بے اختیار اسے پکارا۔

''حیات خان!''

میری آواز سن کر وہ رکا اپنے پاؤں کو جنبش دیئے بغیر اس نے گردن موڑ کر مجھے دیکھا وہ حسرت و یاس کی تصویر بنا ہوا تھا۔

میں نے کہا۔

''حیات خان، تم پڑھو گے۔ قدرت کو تمہاری پڑھائی منظور ہے۔ اسی لیے تو وہ تمہیں یہاں لے آئی ہے۔ کل صبح تم نئے سکول کے دفتر میں جا کر ہیڈ ماسٹر صاحب سے پوچھنا کہ وہ تمہیں فیس کے سلسلہ میں کچھ رعایت دینے کو تیار ہیں اور پھر مجھے آ کر بتانا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔''

پھر میں نے مضبوط اور بلند آواز سے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔'' لیکن تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم انشاء اللہ ہر حال میں نئے سکول میں داخل ہو گے اور تم ضرور پڑھو گے۔''

ڈاکٹر شگفتہ نقوی

# ڈراپ سین

میری بات سن کر حیات خان کی آنکھیں مارے خوشی کے جل تھل ہو گئیں اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی بھیگی آنکھیں ستاروں کی مانند چمک رہی تھیں اور اس کی معصوم مسکان اس کی خوشی بھید کھول رہی تھی۔ ایک لمحہ کیلئے اس نے مجھے دیکھا اور پھر ہرن کی طرح اچھلتا کودتا قلانچیں بھرتا ہوا میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

رات کو سونے کیلئے بستر پر لیٹی تو نیند مجھ سے کوسوں دور چلی گئی۔ میرا ذہن یہ سوچ سوچ کر بوجھل ہو گیا کہ آج میں نے عجلت میں حیات خان کی فیس کی بھاری ذمہ داری اٹھالی ہے۔ شاید اسے نبھانا میرے لیے مشکل ہو گا اور اگر میں اسے وفا نہ کر سکی تو حیات خان کیلئے مشکل ہو گی۔ جائے ماندن نہ پائے رفتن، اب کروں تو کیا کروں کہوں تو کس سے کہوں۔ جاؤں تو کہاں جاؤں۔ یہی سوچتے سوچتے اچانک مجھے نشان منزل نظر آ گیا اور میں نے بے بسی کے عالم میں دل کی گہرائیوں سے اسے پکارا۔

یاد آ کر اس نگر میں حوصلہ دیتا ہے تو
شام شہر ہول میں شمعیں جلا دیتا ہے تو

''اے میرے اپنے رب کریم تو جانتا ہے اور بے شک تو سب سے بڑھ کر جانتا ہے تو سنتا ہے اور بے شک تو ان تمام تر جذبات اور آہٹوں کو بھی سن لیتا ہے جو ہمارے سینے میں مستور ہوتے ہیں اور نوک زبان پر بھی نہیں آتے۔ تو قادر ہے اور بے شک تو سب سے بڑھ کر ہر چیز پر قادر ہے تو حاکم ہے اور بے شک تو احکم الحاکمین ہے۔''

پھر میں نے اپنے آپ کو یہ کہہ کر سمجھایا کہ پگلی، تو بھلا کیوں پریشان ہوتی ہے۔ تیرے الفاظ کی لاج رکھنے والی، تیری اور حیات خان کی خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والی، اسباب اور وسائل مہیا کرنے والی ذات زندہ ہے اور وہ دائم زندہ رہے گی۔ پریشان تو وہ ہو جس کا رب نہ ہو۔ یا جس کا رب رحیم نہ ہو۔ یا جس کا رب کریم نہ ہو، یا جس کے رب کے خزانے خالی ہوں، یا جس کا رب کمزور ہو، قدرت ہی نہ رکھتا ہو۔ جب تمہارا رب ایسا نہیں تو پھر تم کاہے کو پریشان ہوتی ہو؟ دراصل تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم نے ابھی تک اسے دل سے نہیں مانا، اسے محبت اور شکر کی آنکھ سے نہیں جانا اور اسے عقل سلیم کے ساتھ نہیں پہچانا۔

پھر میں نے اپنے آپ کو ہانکتے ہوئے کہا۔

چل اٹھ اپنی پریشانی کی گٹھڑی اٹھالے۔ چل اس کے دربار میں چل۔ پھر دیکھ وہ کیا کرتا ہے اور کیسے کرتا ہے۔

میرے دل میں یہ خیال تازہ ہوا کے جھونکے کی طرح در آیا اور اس نے مجھے تسکین اور تقویت سے مالا مال کر دیا۔ میں نے حیات خان کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے رب کریم کے حوالے کر دیا اور اسے کہہ دیا کہ

''دیکھ! حیات خان سے میرا کوئی خونی تعلق نہیں کوئی واسطہ نہیں، کوئی رشتہ نہیں، یہ تیرا بندہ ہے تو اس کا رب، یہ تیری مخلوق ہے اور تو اس کا خالق، یہ تیرا غلام ہے اور تو اس کا آقا۔ اس لیے مجھے کیا آن پڑی ہے کہ میں اس کا غم کھاتی رہوں اور اپنی جان کو گھلاتی رہوں۔ لے مجھے اب اس کی کچھ پروا نہیں۔ تو جانے اور حیات خان جانے مجھے فکر جہاں کیوں ہو۔ جہاں تیرا ہے یا میرا۔''

اس کے ساتھ میں ایک دم یوں ہلکی پھلکی ہو گئی جیسے میرے سر سے منوں بوجھ اتر گیا ہو جیسے میں نے کسی کی امانت اس کو لوٹا دی ہو۔ سپردگی کے اس عمل کے بعد پلک جھپکتے میں ہی میری روٹھی ہوئی نیند نے

سبک رفتاری سے آ کر اپنے نرم و نازک اور سکون بخش ہاتھ میری پلکوں پر رکھ دیئے اور میں آہستگی اور بے فکری سے اس کی آرام دہ آغوش میں اتر گئی۔

دوسرے دن حسب توقع حیات خان آ گیا۔ میں نے اسے برآمدے میں بٹھایا۔ اس کے بند بند سے خوشی پھوٹ رہی تھی شدت جذبات سے اس کی آواز لرز رہی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ ہیڈ ماسٹر صاحب نے 350 روپے کی بجائے 200 روپے فیس لینے پر آمادہ ہو گئے ہیں اور انہوں نے داخلے کی فیس بھی معاف کر دی ہے۔

میں نے اسے کہا کہ وہ چند دن کے بعد آ کر مجھ سے فیس کے پیسے لے جائے۔ وہ خوشی خوشی لوٹ گیا اسے رخصت کرنے کے بعد جب میں گھر میں داخل ہوئی تو ابی جان برآمدے سے ملحقہ کمرے میں بیٹھے تھے۔ وہ ہم دونوں کی گفتگو سن چکے تھے انہوں نے مجھے بلا کر پیسے دیتے ہوئے کہا کہ ان کی طرف سے یہ رقم حیات خان کی فیس کیلئے ہے۔ اب حیات خان کی طرح خوش ہونے کی میری باری تھی۔ وہ پیسے لے کر مجھے یوں محسوس ہوا گویا قارون کا خزانہ سمٹ کر میری مٹھی میں بند ہو گیا ہو۔ اس لمحے ایسے لگا جیسے زندگی کی سب خواہشیں پوری ہو چکیں صرف ایک یہی تو رہ گئی تھی، لو آج یہ بھی پوری ہوئی۔ جیسے زندگی کی سب پریشانیاں رخصت ہو چکیں۔ صرف ایک یہی تو رہ گئی تھی لو آج یہ بھی تمام ہوئی۔ لیکن پیسے ملنے کے بعد انتظار کی کلفت دو چند ہو گئی کہ کب حیات خان آئے گا اور پیسے اس کے حوالے کروں گی۔

اللہ اللہ کر کے چند دن گزرے اور حیات خان آ کر پیسے لے گیا۔ نہ جانے ان پیسوں میں کیا جادو تھا کہ ان کو تھامتے ہی مارے خوشی کے اس کی بھی میرے جیسی حالت ہو گئی اور وہ بھی آپے سے باہر ہونے لگا۔

اس کے جانے کے بعد جب رات کو میں سونے کیلئے بستر پر لیٹی تو اس کا مسرت بھرا چہرہ اور خوشی سے لبریز آنکھیں بار بار میری نظروں کے سامنے آتی رہیں اور نیند پھر مجھ سے کوسوں دور چلی گئی۔ میں حیرت سے یہی سوچتی رہی کہ یہ کیا معمہ ہے کہ حیات خان کی پریشانی نے بھی مجھے سونے نہ دیا اور اب اس کی خوشی بھی مجھ سے میری نیند چھین رہی ہے۔ لیکن اس کی پریشانی کے دوران میرا جاگنا میرے لیے اذیت کا باعث تھا۔ اور اب میری بیداری میرے لیے راحت جاں تھی۔ میں بستر پر لیٹے لیٹے گھپ اندھیرے میں آنکھیں کھول کر خوش کن سنہرے خواب بن رہی تھی۔

میں نے الماری میں سے اپنا ایک پرانا پرس نکال کر اسے حیات خان کی فیس کے پیسوں کیلئے مختص کر دیا۔ اس پرس کے ساتھ عجیب ماجرا ہوا کہ ناگاہ اس خستہ، بیکار، اور ناکارہ پرس کے اندر مقناطیسی کشش پیدا ہو گئی۔ وہ مختلف اطراف سے پیسے کھینچ کھینچ کر اپنا شکم بھرنے لگا اور بوقت ضرورت اور حسب ضرورت پیسے اگلنے لگا۔ یعنی اچانک مجھے میری چند سہیلیوں کی طرف سے یکے بعد دیگرے فون آنے لگے کہ تمہیں کچھ پیسے بھیجے جا رہے ہیں جہاں مناسب سمجھو انہیں فی سبیل اللہ خرچ کر ڈالو۔ یوں حیات خان کی فیس کی ادائیگی کے سلسلہ میں کبھی کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔

اسی دوران جب حیات خان نے آٹھویں جماعت پاس کر لی تو وہ خوشی خوشی اپنا رزلٹ کارڈ میرے پاس لے کر آیا۔ اس کے ساتھ کتابوں اور کاپیوں کی ایک لمبی فہرست بھی تھی جو اسے نئی جماعت کیلئے درکار تھیں۔ میں نے اسے کہا کہ تین چار دن کے بعد تم مجھ سے یہ سامان آ کر لے جانا۔ اس کے جانے کے بعد میں اس کی دی ہوئی فہرست کو سامنے رکھ کر حساب کتاب میں مشغول ہو گئی۔ ابی جان نے مجھے دیکھا اور معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنی جیب میں سے پیسے نکالے اور مجھے دیتے ہوئے کہنے لگے۔

''ان پیسوں سے حیات خان کیلئے نئی کتابیں، نئی کاپیاں، نیا جیومیٹری بکس اور نیا سکول بیگ لے آؤ۔ نئی پنسلیں اور نیا ربڑ شارپنر وغیرہ بھی خرید لینا۔'' ادھر ابی جان کی بات ختم ہوئی ادھر مجھے یوں محسوس ہوا کہ جس طرح لاروے کے پر نکل آتے ہیں اسی طرح اچانک میرے دائیں بائیں بھی نادیدہ پر نمودار ہو گئے ہیں اب بھلا گھر بیٹھ کر کیا کرنا ہے۔ اب تو اڑان کا موسم آ گیا۔

چلو کہ چل کے چراغاں کریں دیار حبیب

چنانچہ میں بیٹے کے ساتھ بازار گئی اور مطلوبہ سامان خرید کر لے آئی اس سامان نے میرے وجود میں بے چینی کے بیج بو دیئے کہ کب حیات خان آئے اور میں یہ چیزیں اس کے حوالے کردوں۔

چند دن کے بعد وہ آیا تو میں نے سکول بیگ اس کے حوالے کیا۔ اس نے بے صبری سے اسے کھول کر سامان باہر نکالا۔ پھر بے یقینی سے سوالیہ نظروں کے ساتھ میری طرف دیکھا میں نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔

''حیات خان! یہ سب تمہارا ہے۔''

اس کی خوشی دیدنی تھی۔ اس نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے بے اختیار نعرہ لگایا۔

''وُہ ای..... یہ سب امارا ہے.....''

اس کے بعد اس نے جوشِ جذبات سے مجھے دعا دی۔

''اما جی! اللہ آپ کو جلدی جلدی جنت میں لے جائے۔''

میں نے اسے بتایا کہ ان چیزوں کی خریداری کیلئے میں نے رقم خرچ نہیں کی بلکہ کسی نے مجھے اس کے لئے پیسے دیئے تھے اس نے فورا اپنی مذکورہ بالا دعا میں تصحیح ترمیم اور اضافہ کر ڈالا۔

''اللہ سب کو جلدی جنت میں لے جائے۔''

دعا کے بعد اس نے دل کی گہرائی سے آمین کہا۔ سکول بیگ اٹھایا اور چل دیا۔

دن گزرتے چلے گئے حیات خان نے میٹرک کا امتحان دے دیا۔ اس دوران حیات خان کی پڑھائی کے تمام تر اخراجات کا بروقت اور حسب ضرورت انتظام ہوتا رہا۔ مجھے کبھی دست سوال دراز کرنا پڑا نہ حیات خان کی فیس کی ادائیگی میں تاخیر ہوئی اور نہ ہی کبھی میرا مختص کردہ پرس خالی رہا۔ جونہی حیات خان کی پڑھائی مکمل ہوئی میرا پرس بھی خالی ہو گیا اور اس مد میں آنے والے پیسوں کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔

اتنی وسیع و عریض کائنات میں پیش آنے والا یہ واقعہ بے حد معمولی اور غیر اہم ہے جبکہ ایک ہی وقت میں سر افلاک بر سرزمیں، زیر زمیں، ہواؤں میں، خلاؤں میں، کہکشاؤں میں، پانیوں میں اور کائنات کے پس پردہ اور نامعلوم پوشیدہ کونوں میں بے شمار ان گنت پیچیدہ اور لاینحل واقعات وقوع پذیر ہوتے ہیں اور رب کائنات بیک وقت ان تمام تر حالات، واقعات اور معاملات پر نظر بھی رکھتا ہے اور بہ کمال حسن و خوبی ان کا انتظام بھی حرف کن سے کرتا ہے۔ میری محدود اور ناقص عقل اس کی قدرت کا احاطہ کرنے سے عاجز اور درماندہ ہے۔

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے
خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کیجیے

☆☆☆

آؤٹ ڈور کھچا کھچ مریضوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے پردہ ہٹا کر ایک نظر ڈالی، پھر گھڑی کی طرف دیکھا آج تو لگتا ہے شام کے چھ ہی بجیں گے، وجہ یہ تھی کہ ساری رات ایمرجنسی میں مصروف رہے۔

چاروں ڈاکٹر جو ہسپتال کے اندر رہائش پذیر تھیں سب کو ہی باری باری جگانا پڑا ڈاکٹر شازیہ اور انیلا لیبر روم میں اور سکینہ میرے ساتھ آپریشن تھیٹر میں۔

نازیہ ہر نئی ایمرجنسی کو اٹینڈ کر رہی تھی۔ اس کیلئے آرڈر لکھنا، معائنہ کرنا، ٹیسٹ بھجوانا، بلڈ کا انتظام کرنا اور ڈرپ لگانا۔ صبح سب ہی تھکے ہوئے تھے اس لیے اب آؤٹ ڈور دیر سے شروع ہو رہا تھا۔

اگر یہ سرکاری ہسپتال ہوتا تو..... جب بندہ تھک جائے بھوک لگی ہو اور نیند پوری نہ ہو تو اپنے فرائض کیسے انجام دے؟

لکھنے والے اخباروں میں لکھ دیتے ہیں، کہ ڈاکٹر توجہ نہیں دیتے۔

ان کا اخلاق ایسا ہے تسلی کے دو بول بھی نہیں بولتے۔ ڈانٹ دیتے ہیں وقت نہیں دیتے۔ کاش کبھی وہ 24 گھنٹے ایک ڈاکٹر کے ساتھ گزاریں تو انہیں پتہ چلے کہ وہ بھی انسان ہوتا ہے۔

میری پروازِ خیال یہاں تک آئی تھی کہ خالدہ آ گئی۔ یہ ہماری بہت ہی لائق ایماندار اطاعت کرنے والی سب سے سینئر سٹاف نرس تھی۔ کیسا ہی مریض ہو کتنا ہی رش ہو۔ خالدہ آ گئی تو وہ سب سنبھال لے گی۔ اس کو دیکھ کر ہی میرا موڈ خوشگوار ہو گیا۔

کاش ہمیں ہر محکمے میں ایسے لوگ میسر ہوں خالدہ تو جہاں بھی ہو اللہ پاک تمہیں اپنی رحمتوں سے نوازے آمین۔

ہم نے آؤٹ ڈور شروع کر دیا، تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر سکینہ اور شازیہ بھی آ گئیں۔ اتنے میں خالدہ میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔

میرا ایک خاص مریض ہے آپ کو دکھانا ہے کیس ذرا لمبا ہے۔

میں نے کہا لے آؤ۔ ابھی دیکھ لیتی ہوں۔

وہ ایک خاتون کو لے کر آئی، چالیس کے قریب عمر ہو گی، درمیانہ قد، چہرے پر متانت اور افسردگی دونوں نمایاں تھیں۔ ہاتھوں میں چوڑیاں اور انگلی میں انگوٹھی، نیک طبع اور سادہ سی خاتون تھیں۔

میں نے پوچھا ''ہسٹری لی ہے۔''

خالدہ فر فر بولنے لگے۔ ''یہ جمیلہ ہے اس کی دوسری شادی ہے پہلی شادی تین ماہ رہی تھی۔ اب چھ سال شادی کو ہو گئے ہیں چار ابارشن ہو چکے ہیں۔

بس چھ ہفتے کے بعد دل کی دھڑکن شروع ہونے سے پہلے ہی بچہ فوت ہو جاتا ہے۔ سارے ٹیسٹ ہو چکے ہیں دونوں میاں بیوی بالکل ٹھیک ہیں۔ اس کے میاں کے تین بھائی ہیں۔ ایک کی دو بیٹیاں ہیں وہ فوت ہو گیا ہے۔ دوسرے بھائی کی ایک بیٹی ہے، خاندان میں کوئی بیٹا نہیں ہے۔ بلڈ گروپ او نیگٹو ہے۔ ہر دفعہ انجکشن بھی لگ جاتا ہے۔ آخری ابارشن کو چھ ماہ ہو گئے۔ کوئی علاج نہیں چھوڑا آ کوپنکچر، ہومیو پیتھک، دیسی علاج، بزرگ بابا جی سے دعائیں، اس کا بھائی عمرہ کرنے گیا تھا صرف اپنی بہن کیلئے اولاد کی دعا مانگی تھی۔ اب سسرال والے کہہ رہے ہیں کہ آصف کی دوسری شادی کرنی ہے۔

آصف کی چھ بہنیں ہیں ایک بہن بیوہ ہے اور

ایک طلاق کو ہوگئی ہے۔ وہ دونوں بھائیوں کے ساتھ رہتی ہیں۔ وہ آج کل بھائی کیلئے رشتہ ڈھونڈ رہی ہیں۔ جمیلہ بہت پریشان ہے ہر جمعرات کو درود تنجینا پڑھاتی ہے 70 دفعہ پھر کھانا کھلاتی ہے۔ والدین فوت ہو گئے ہیں۔''

خالدہ بولتی رہی۔

میں نے کانوں سے اس کی کہانی سنی، آنکھوں سے ساری رپورٹیں دیکھیں ہاتھوں سے نبض اور بلڈ پریشر چیک کیا۔ اور جمیلہ کے چہرے کا جائزہ لیا ہسٹری لینے میں خالدہ کو یہ طولیٰ حاصل تھا۔ مجال ہے کہ کوئی پوائنٹ بھول جائے۔

وہ بول رہی تھی۔

خاندان میں ان کی والدہ کو شوگر تھی اور والد کو بلڈ پریشر تھا۔ دو بہنیں اور دو بھائی ہیں یہ سب سے چھوٹی ہے۔ سب کی اولاد ہے آصف کی بہنیں بھی صاحب اولاد ہیں یعنی خاندان میں بانجھ پن نہیں ہے۔ جب بھی حمل ہوتا ہے اس کی نندیں کہتی ہیں کہ سب فراڈ ہے جھوٹ بولتی ہے۔ اب تو ہم اپنے بھائی کی شادی ضرور کریں گے۔''

میں نے جمیلہ کے کچھ ٹیسٹ لکھے۔ الٹراساؤنڈ تجویز کیا۔

اور اندر سے ایک ٹیسٹ لے کر Biopsy کیلئے لکھا۔ جس کیلئے داخلہ ضروری تھا لیکن ٹیسٹ کا رزلٹ آنے کے بعد.....

جمیلہ بہت ہی بجھی بجھی مایوس سی اور اداس دکھائی دے رہی تھی۔

خالدہ نے بہترین وکیل کی طرح اس کا کیس پیش کیا۔ جمیلہ آخر میں رونے لگ گئی اور بولی۔

''ڈاکٹر صاحبہ صرف یہ بتا دیں کہ میری اولاد ہو تو جائے گی کوئی خرابی تو نہیں ہے۔''

''جمیلہ نہ روتسلی رکھو پچھلی رپورٹیں جو دیکھیں ہیں وہ سب اے ون ہیں کہیں کوئی خرابی مجھے نہیں ملی۔ صرف دو تین ٹیسٹ اور ہونے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہر ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔ اس کے در سے امید رکھو۔ انشاءاللہ جلدی خوشخبری پالوگی۔''

وہ مسکرائی اس نے شکریہ ادا کیا۔ اور کہنے لگی ''میں بہت اچھا پلاؤ بناتی ہوں اگر آپ برا نہ منائیں تو میں اگلی دفعہ آپ کو پلاؤ کھلاؤں۔'' مجھے اس کی سادگی اور اس ادا پر ہنسی آ گئی۔

میں نے کہا ''جمیلہ جب اللہ تمہیں اولاد دے گا تو پھر تمہارے گھر آ کر پلاؤ کھائینگے۔''

''مجھے آپ بہت اچھی لگی ہیں۔ نہ معلوم کیوں میرا دل کہتا ہے اب اللہ پاک ضرور رحم فرمائیں گے۔''

''انشاء اللہ..... دعا کرتی رہو اور صدقہ بھی دیا

کرو۔''

خالدہ اسے باہر چھوڑنے گئی، واپس آ کر کہنے لگی۔

''کتنی فیس لوں ؟''میں نے کہا''تمہاری سہیلی ہے، بہت پکی تو رہنے دو.....فیس کی کوئی ضرورت نہیں ۔''

''نہیں جی فیس وہ دے سکتی ہے، آپ نے اسے ڈیڑھ گھنٹہ دیا ہے۔ ان کی زمینیں اور مربعے ہیں، اس کے خاوند آصف کی ٹیکسیاں چلتی ہیں دس لاہور کے ائیر پورٹ پر اور دس اسلام آباد کے ایئر پورٹ پر۔''

''اچھا باقی شہروں میں یہ سروس کب شروع ہو گی۔''میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''پر جی کیا فائدہ.....کوئی وارث تو ہے نہیں جتنی مرضی دولت کمالیں۔کس کام کی.....''

ڈاکٹر ناصرہ بولیں''آج تو ایک مریضہ کافی ہوگئی ہے۔ چائے کا وقت تو نکل گیا ہے میں نے دوبارہ گرم کروائی ہے۔ پلیز ہم بھی آپ کے ساتھ مارے گئے بہت بھوک لگ رہی ہے۔ پہلے چائے پی لیں۔''

''آپ لوگ صبح ناشتہ کیوں نہیں کرتے یہ عادت اچھی نہیں ہے۔''

''ساری رات کے جاگے ہوئے تھے ناشتہ بناتا کون؟ وقت کہاں تھا۔''اس نے چائے کا کپ میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ اور خود سموسے سے انصاف کرنے لگی۔

باقی ڈاکٹرز بھی آ گئیں سکینہ وارڈ اور لیبر روم کا راؤنڈ کر کے آئی تھی اس نے چائے کے ساتھ ساتھ رپورٹ دینی شروع کی۔

''بیڈ نمبر دو فضیلت بی بی..... ابھی تک خون کا انتظام نہیں ہوا۔

لیبر روم.....نصیرا بیگم کا بلڈ پریشر کنٹرول میں ہے ڈرپ لگی ہوئی ہے میں نے اسے پرائیویٹ کمرے میں شفٹ کروادیا ہے۔''

''لیبر روم میں روح افزا کی پراگرس اچھی ہے۔ دو گھنٹے تک ڈلیور ہو جائے گی۔''

''جو بچے رات کو اس خوبصورت دنیا میں تشریف لائے تھے سب ٹھیک تھے ان کو نرسری میں بھجوادیا ہے۔ طاہرہ کا بچہ بہت رو رہا ہے۔''

''اسے ایکسرے کیلئے بھجوایا ہے۔ اور چلڈرن سپیشلسٹ کیلئے کال بھی لکھ دی ہے۔''

ڈاکٹر ناصرہ بولی۔

''سکینہ بس بھی کرو، یہ سینڈ وچ لو، دیکھو کتنا مزیدار ہے۔''وہ بولی۔

''آپ لیبر روم کا راؤنڈ کب کریں گی؟''

''باہر کتنے مریض ہیں؟'' میں نے جوابا ایک

سوال داغ دیا۔

''تم نے راؤنڈ تو کر لیا ہے آرڈر بھی لکھ دیئے ہیں، اب رات کو دیکھا جائے گا۔'' ناصرہ نے تفصیل پیش کی۔

''ہم جو مرضی کر لیں۔ مریض یہی کہتا ہے وڈی ڈاکٹر کب آئے گی۔''

''اچھا چلو تم دونوں آؤٹ ڈور نپٹاؤ، انیلا اور شازیہ اندر ہیں۔ میں راؤنڈ کر کے آتی ہوں۔''

جاتے جاتے راستے میں ایک ہسپتال کا ملازم ملا کہ ''جی کمشنر کی بیگم کا فون آیا تھا وہ آپ کو دکھانے کیلئے کب آئیں؟''

''ان سے کہو کہ ایمرجنسی نہیں ہے تو کل دس بجے آ جائیں آج بہت رش ہے۔ اور اگر انتظار کرنا مشکل ہے تو پھر آ جائیں۔'' پتہ نہیں میری عادت کیسی ہے مجھے ان سرکاری لوگوں کو جو جھنڈے والی گاڑی پہ آتے ہیں پروٹوکول دینا بہت ناگوار گزرتا ہے۔ غریبوں کا ٹائم مار کر ہم ان کو دیکھتے ہیں یہ ٹرسٹ ہسپتال ہے بھلا یہاں کمشنر یا سیکرٹری وزیر سفیروں کا کیا کام؟؟ لیکن نہ ان کی دوستی اچھی نہ ان کی دشمنی اچھی..... میں آگے بڑھ گئی آگے نور جہاں مل گئی۔ نور جہاں آپریشن تھیٹر کی آل ان آل ہے۔ یہ بھی خالدہ کی طرح کمال کی شے ہے۔ اس کو اس ہسپتال میں 28 سال ہو گئے ہیں جس سرجن کا نام لو اسے اس کی تاریخ اور جغرافیہ زبانی یاد ہوتا ہے شہر کے ہر قابل ذکر سرجن کے ساتھ کام کر چکی ہے۔ بلکہ یہ سرجن کو مشورے دے رہی ہوتی ہے۔

وہ بولی ''میرا ایک مریض نصیرا بیگم لیبر روم میں ہے۔ تین دن ہو گئے ہیں، اس کا کیا مسئلہ ہے۔ پلیز اسے فارغ کر دیں۔''

''اس کا بلڈ پریشر بہت زیادہ تھا، نہ سیکشن کرنے کی پوزیشن میں تھے، نہ ہی ڈیلیوری.....اب کنٹرول ہو گیا ہے، کل تک انشاءاللہ فارغ ہو جائے گی۔''

''ان کا بچہ بہت قیمتی ہے۔ چھ بہنوں کا بھائی آنے والا ہے، آپ آپریشن ہی کر دیں ڈیلیوری کا رسک نہ لیں بچے کو نہ کچھ ہو جائے۔''

''زندگی تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جب تک نارمل ڈیلیوری کا چانس ہے میں آپریشن نہیں کروں گی۔ مجھے اللہ کو جواب دینا ہے ویسے ہی گائنی والے بدنام ہیں کہ انتظار نہیں کرتے اور آپریشن کر دیتے ہیں۔''

''یہ میرے بہت جاننے والے ہیں پلیز اسے آج ہی فارغ کر دیں سارا خاندان تسبیح لے کر مصلے پر بیٹھا ہوا ہے۔''

''اچھی بات ہے کبھی اللہ کو بھی تو جی جان سے یاد کرنا چاہیے جب نعمت مل جاتی ہے تو پھر تو ہم دینے والے کو بھول جاتے ہیں۔''

''ڈاکٹر صاحبہ پلیز.....اسے دیکھ تو لیں۔''

اتنے میں پیچھے سے آؤٹ ڈور والی ''آیا'' شریفاں آئی کہ ''ڈاکٹر ناصرہ کہہ رہی ہیں ایک ایمرجنسی ائی ہے آپ ادھر آئینگی یا ادھر ہی بھجواو دوں۔''

''کدھر شریفاں ابھی تو میں نے لیبر روم میں بھی نہیں رکھا تم اسے ادھر ہی لے آؤ۔''

اس کو دیکھا نصیرا بیگم کو دیکھا میں نے لیبر روم کی نرس کنیز سے کہا کہ ''دونوں کو آزمائشی ڈرپ لگا دے۔ اگر تین گھنٹے تک کوئی پراگرس نہ ہو تو پھر سیکشن کیلئے تیار کر کے مجھے کال کر لینا یاد رہے۔ اس کا بلڈ گروپ نیگٹو ہے خون کا انتظام ضرور ہونا چاہیے رسک نہیں لینا۔''

تین گھنٹے آؤٹ ڈور میں گزر گئے۔ لیبر روم سے کنیز نے کال کی کہ ''آپ جائیں۔ نصیرہ کی پراگرس اچھی تھی اور ابھی تک بلڈ پریشر نارمل سے کچھ ہی زیادہ تھا۔ اس لیے جب درد کی لہر اٹھتی تو بلڈ پریشر 200 سے اوپر چلا جاتا۔ جو انتہائی خطرناک تھا۔ کیونکہ ڈلیوری ہو بھی جائے تو بعد میں جریان خون کا ڈر رہتا ہے۔''

بس مریض کے لواحقین تو اسے ڈاکٹر کے حوالے کر کے خود اللہ اللہ کرتے ہیں لیکن اس وقت مسیحا خود عرصہ محشر میں ہوتا ہے۔ یہ جانتے اور مانتے ہوئے بھی کہ سب کچھ قادر مطلق کے اختیار میں ہے قدم قدم پر بلکہ ہر لمحے اپنی کم علمی، بے بسی، بے کسی اور رب کی محتاجی کا شدید احساس ہوتا ہے شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا معالج ہو (چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو) کہ وہ ان نازک مراحل سے گزرتے ہوئے کسی ان دیکھی سپر پاور کا احساس نہ کرے۔

مجھے ذرا سی دیر کیلئے محسوس ہوا کہ آپریشن ہی واحد حل تھا میں نے غلطی کی ہے۔ سوچ کی یہ لہر میری ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کر گئی۔

دنیا اور آخرت میں جواب دہی کا احساس کس قدر زہرناک اور دہشت ناک ہے میں نے دل ہی دل میں کل موجودات کے مالک اور خالق کو نہایت عاجزی اور مسکینی سے پکارا میرا دل خود کلامی کے انداز میں دعا گو تھا۔ میرے رب میں عاجز ہوں۔ اور تو کل جہانوں کا خالق اور مالک ہے یہ تیری مخلوق ہے اور میری ذمہ داری ہے۔ ہماری مشکل آسان کر دے تیرے سوا وہ کون ہے جسے میں پکاروں اور وہ میری مدد کو آجائے کوئی نہیں ہے کوئی نہیں ہے میرے معبود میرے مالک المدد، میرے آنسو گر رہے تھے۔ دوسرے ہی لمحے..... اس کی مدد آ پہنچی اور ایک نئی زندگی میرے ہاتھوں میں سانس لے رہی تھی۔ بہت ہی خوبصورت بیٹا تھا۔ سارے مرحلے بخوبی طے ہو گئے تمام خطرات کے ہوتے ہوئے نصیرا کی کشتی پار لگ گئی۔ پروردگار میں

شکرگزار ہوں ہزار بار تو نے ہم سب پہ رحم کیا لیکن زبان اور باتوں میں مصروف تھی۔

فلاں ٹیکہ لگا دو۔ بلڈ پریشر دیکھو خون کی بوتل لگا دو۔

''شریفاں باہر جاؤ اور اس کے رشتے داروں کو اطلاع دیدو۔''

پھر دوسرے مریض کا خیال آیا۔

وہ آپریشن تھیٹر میں جا چکا تھا۔ جونہی خبر باہر پہنچی نور جہاں بھاگی آئی اور مجھے گلے لگا لیا۔ کہنے لگی ''آپ پر اللہ کی رحمت ہے میں نے بہت اصرار کیا کہ آپریشن کر دیں۔ لیکن آپ نے رسک لے لیا۔ خدا آپ کو ہمیشہ سلامت رکھے۔''

میں نے کہا ''صرف اس کا شکریہ ادا کرو جو زندگی اور موت پر قادر ہے۔ ہم تو خاک کی ایک مٹھی ہیں جس میں اس نے روح پھونک دی۔ ہم نہ ہونگے تو ہماری جگہ وہ اور لوگوں کو لے آئے گا۔ اس کیلئے کون سی مشکل ہے۔''

دوسرا آپریشن کر کے گھر آئی تو مہمان آ کے بیٹھ کے انتظار کر کے چائے پی کر واپس جا رہے تھے۔ تھکن تو بے شمار تھی لیکن مہمان کی پذیرائی لازم تھی۔ دوسرے دن جمیلہ کا ایک ٹیسٹ لے کر لیبارٹری میں بھجوانا تھا۔ خالدہ تتلی کی طرح اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ ٹیسٹ ہو گیا سارے ٹیسٹ ایک ہفتے بعد آ گئے، سب ٹھیک تھے۔ میرا خیال تھا کہ ایک دوسری رائے بھی لے لی جائے۔ چنانچہ اس کو لاہور شیخ زید ہسپتال میں خط لکھ کر ریفر کر دیا۔ وہاں سے بھی سب اچھا کی رپورٹ آئی۔ انہوں نے صرف فولک ایسڈ کھانے کیلئے گولیاں دیں اور بس..... اب جمیلہ کی سوالی آنکھیں میرے چہرے پر تھیں۔ شیخ زید کے گائنا کالوجسٹ نے لکھا تھا کیونکہ عمر 43 ہو گئی ہے اور چانس کم ہو رہا ہے لہٰذا ٹیسٹ ٹیوب بے بی کیلئے ٹرائی کریں۔

میں نے بھی یہی مشورہ دیا۔ 5 لاکھ روپے کا نسخہ تھا وہ خرچ کر سکتے تھے خالدہ نے تین دن کی چھٹی لی کہ وہ اس کے ساتھ لاہور جائے گی۔ پہلے چکر میں انہوں نے سکین کیا اور ادویات دیں۔ تیرہ دن بعد بے ہوش کر کے لیپروسکوپی کے ذریعے انڈے نکال کر لیبارٹری میں رکھے تاکہ بارآور ہو جائیں۔ اور پھر چار ہفتے بعد بلایا اور یہ انڈا دوبارہ اپنی جگہ رکھ دیا گیا۔

خالدہ ہر روز جمیلہ کو مل کر آتی۔ اس کا بلڈ پریشر دیکھتی اور مجھے آ کر رپورٹ دیتی۔ پیشاب ٹیسٹ کیا تو وہ پازیٹو آ گیا سارے خاندان میں عید کے چاند دیکھے جانے جیسی خوشی کا سماں ہو گیا دوسری شادی کے سارے تذکرے اور منصوبے دم توڑ گئے۔ نندیں آگے پیچھے پھرنے لگیں صدقہ دعائیں، شکرانہ چڑھاوے،

سبھی کچھ ہو رہا تھا۔ چھ ہفتے بعد لا ہو رگئی تو پتہ چلا کہ حمل کامیاب نہیں ہوا، ضائع ہو گیا۔ خوشیوں کے چاند نے بس تھوڑی دیر کو جھلک دکھلائی اور پھر بادلوں میں جا چھپا۔

جمیلہ کی کمر میں درد تھا دکھانے آئی میں نے حال پوچھا کہنے لگی میں بالکل تگڑی ہوں۔ ہرگز مایوس نہیں ہوں میرا رب قدرت منداور توانا ہے۔ میں اس سے پرامید ہوں وہ ضرور نوازے گا وہ سب کی سنتا ہے میری بھی سنے گا۔

اس کے یقین نے مجھے بہت متاثر کیا واقعی ہمیں ہر حال میں اس کی رحمت سے امید رکھنی چاہیے۔

تین ماہ تک باقی انڈے جو لیبارٹری میں رکھے تھے کار آمد تھے۔ دوسری دفعہ پھر چانس لیا خالدہ پھر چھٹی لے کر اس کے ہمراہ گئی۔ قسمت کی خوبی..... دوسری دفعہ بھی وہی انجام ہوا..... میں نے فون کر کے پوچھا تو ڈاکٹر صاحبہ کہنے لگیں کہ ''بعض دفعہ ٹرائی کرتے ہیں کامیابی کا تناسب 30 فیصد ہے۔''

پھر دونوں میاں بیوی عمرہ کرنے گئے اور خانہ خدا میں جا کر دعا مانگی وہاں ان کی ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جنہوں نے ان کو بیٹے کی خوشخبری سنائی۔

ایک سال اور گزر گیا۔ پہلے چھ ماہ ہومیو پیتھک علاج ہوتا رہا اس کے بعد دو ماہ ایک چائنیز کلینک میں آکوپنکچر کا علاج ہوا پھر تمام علاج بند ہو گئے۔

اور اس نے ہر ہفتے میں سورۃ یاسین کا 72 دفعہ ختم کروانا شروع کیا۔ ایک دن خالدہ نے فون کر دیا اور ڈیوٹی پر نہ آئی۔ دوسرے دن پتہ چلا کہ جمیلہ سیڑھیوں سے گری تو اس کا بازو ٹوٹ گیا خالدہ اس کو لے کر ایک پرائیویٹ ہسپتال میں چلی گئی۔ آپریشن ہوا اور پلاسٹر چڑھا دیا گیا۔ چھ ہفتے بعد اترا درد باقی تھا مجھے ملنے آئی اور پلاؤ بنا کر ساتھ لائی۔ اب بچے کی بجائے اسے اپنی صحت کی فکر تھی۔ میں نے شکریہ ادا کیا تسلی دی دلجوئی کی۔

دو ماہ بعد خالدہ نے بتایا کہ جمیلہ کا ٹیسٹ کیا ہے پوزیٹو آ گیا ہے کل الٹراساؤنڈ کروانے آئے گی۔

جب میں نے اسے بتایا بچے کی شروعات ٹھیک ہیں دل کی دھڑکن موجود ہے۔ تو اس کی آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے خالدہ بھی خوشی سے رو رہی تھی۔

شاید جمیلہ کی ماں ہوتی تو وہ جمیلہ کی اتنی ہی خیر خواہی اور خوشی کرتی خالدہ نے دوستی کا حق ادا کر دیا۔

ایک ایک مرحلہ بخیر و عافیت طے ہوتا گیا جب بچے نے حرکت شروع کی تو جمیلہ کی زبان ذکر خدا سے اور شکر خدا سے تر رہنے لگی۔ اٹھتے بیٹھتے یہی کہا کرتی اے میرے رب تو نے مجھ یتیم و بے نوا پر رحم کیا ہے میں تیرا شکر ادا کرتی ہوں اب مجھے زندہ سلامت خوش بخت

# باس

اولاد عطا فرما۔

جب وضع حمل کا وقت قریب آیا تو میں نے کہا'' پہلے لاہور جا کر دکھا دو۔''

انہوں نے کہا ''سب کچھ نارمل ہے۔ ذرا بلڈ پریشر ہائی ہے لیکن خطرے والی کوئی بات نہیں۔ ''انہوں نے الٹرا ساؤنڈ کر کے بتا دیا کہ بیٹا ہے۔اب تو دل میں روح میں گھر میں خاندان میں چراغاں ہو گیا۔خوشی کے دیپ جلنے لگے اور کچھ لوگ حسد سے جلنے لگے نہ جانے ہم دوسروں کی خوشی کو برداشت کیوں نہیں کر سکتے پر شیطان بھی تو اپنی فوج کے ساتھ خفیہ ایجنسی چلاتا رہتا ہے ہم اس کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں۔

اب خالدہ نٹنگ ساتھ لے کر آتی جمیلہ کے بیٹے کیلئے ٹوپی، جرابیں سوئٹر بن رہا ہے شاپنگ ہو رہی ہے۔اس نے تین جوڑے بنائے ایک اسی وقت جمیلہ کو پہنا دیا۔ دوسرا کہنے لگی پیدائش پر دوں گی تیسرا عقیقے والے روز پہنے گی۔

پھر اچانک بچے کا پانی کم ہو گیا۔ یہ بات بہت عجیب تھی شوگر کے مریضوں میں پانی زیادہ ہو جاتا ہے یہاں الٹ ہو گیا۔اسے داخل کرنا پڑا۔ پھر لاہور شفٹ کر دیا خالدہ پھر اس کے ہمراہ گئی۔ پندرہ دن بعد واپس آئی۔

جمیلہ کے سارے جسم پر سوجن تھی چلنا محال تھا۔ بلڈ پریشر ہائی تھا لہٰذا اسے داخل کرنا پڑا،خون کا انتظام پہلے ہی کر لیا گیا۔ جب ایک ہفتہ مقررہ تاریخ سے اوپر گزر گیا تو سیکشن کا فیصلہ کیا۔

خوشیوں کا چاند رات دو بجے طلوع ہوا۔ اور آصف نے اپنے بچے کو روتے ہوئے سینے سے لگا لیا۔ میرا بچہ .....سارے خاندان میں فون کھڑکے.....دوسرے دن دیگیں پکیں اور سارے خاندان کو کھانا کھلایا گیا۔ محلے کی دعوت کی گئی.....پھر غریبوں کی دعوت ہوئی۔ایس او ایس ویلیج میں بکرے اور دیگیں بھجوائی گئیں۔ آصف نے ساری بہنوں کو سونے کے کڑے اور جوڑے دیئے..... جمیلہ کو سونے کی بارہ چوڑیاں جن کی قیمت آٹھ لاکھ تھی وہ دیں ۔عقیقے کے فنکشن میں آدھا شہر امڈ آیا۔ میں نے خالدہ

سے پوچھا اس نے کہا کہ انہوں نے مجھے نہیں بلایا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔

کہنے لگی'' آج بہت رش ہوگا میں تو گھر کا بندہ ہوں پھر سہی۔'' جمیلہ نے ہمارے گھر کھانا بھجوایا..... بریانی قورمہ اور فیرنی تھی میں نے دوسرے دن ( کھانا کافی زیادہ تھا) سارے گائنی ڈیپارٹمنٹ کو کھلا دیا۔'' کیونکہ سب نے جمیلہ کا بہت خیال رکھا تھا۔ ایک بزرگ نے بچے کا نام عبدالقادر رکھا۔ پھر ختنے ہوئے ہمارے بچوں کے ختنے ہسپتال کے سرجن ڈاکٹر سعید نے کیے تھے۔ دونوں اسے دیکھ دیکھ کر جیتے تھے ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ بڑا ہو جائے باتیں کرے گھومے پھرے ان کو بلائے لیکن..... ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔

آصف نے نیا کیمرہ خریدا.....خالدہ ہر ہفتے اس کی درجنوں تصویریں لاتی سب کو دکھاتی سوتے ہوئے کھلاتے ہوئے نہاتے ہوئے، روتے ہوئے، ہنستے ہوئے.....گویا کائنات کے تمام رنگ، کرنیں، خوشیوں اور چاندنی جمیلہ کے گھر اتر آئی تھی.....

ہمارا رب غیر محسوس تدبیریں کرتا ہے..... اس نے کب کس کو کیا عطا کرنا ہے یہ کوئی نہیں جانتا.....لیکن اس کے در پہ جھولی پھیلانے والا کبھی خالی نہیں جاتا..... میں نے ایک دن خالدہ سے پوچھا کہ عبدالقادر کی پیدائش پر تمہیں کیا تحفہ ملا ہے تم نے بتایا نہیں اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو جاری ہو گئے مگر زبان سے کچھ نہ بولی۔

''تم نے تو اس کی جی جان سے خدمت کی..... بلکہ بہنوں کی طرح محبت کی تمہاری محبت کا ڈراپ سین ہو گیا ہے۔''

وہ پھر بھی چپ رہی روتی رہی.....

''وجہ کیا ہوئی.....کیا آصف نے منع کر دیا.....تم نے پوچھا تو ہوتا.....انہوں نے تمہیں عقیقے کی دعوت پر بھی نہیں بلایا.....

تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے..... میرا خیال ہے اس وقت اسے تمہارے سہارے کی ضرورت تھی تسلی، مددگاری، اپنائیت، خدمت، ساتھ.....تم نے سب کچھ اسے دیا۔اب سارا خاندان اسے سر آنکھوں پر بٹھاتا ہے۔وہ بیٹے کی ماں ہے سب اس کے پاؤں تلے ہاتھ رکھتے ہیں مربعے اس کے نام کیے ہیں۔اب ظاہر ہے تمہاری ضرورت نہیں رہی۔تم لاکھ کہو کہ انسان برابر ہوتے ہیں اور انسان عظیم ہے، دولت سے انسان کو تولا نہیں جا سکتا لیکن تم بس ایک نرس ہو.....چار بچے ہیں جو سرکاری سکول میں پڑھتے ہیں تمہارا میاں رکشہ چلاتا ہے.....تمہاری اور اس کی دوستی چہ معنی دارد۔

''میں تمہیں منع کرنا چاہتی تھی کہ ایسا بھروسہ نہ

کرو کہ جب وہ رخ بدلے تو تم کر چی کر چی ہو جاؤ۔''

عزیز اتنا ہی رکھو کہ جی سنبھل جائے
اب اسقدر بھی نہ چاہو کہ دم نکل
جائے
محبتوں میں عجب ہے دلوں کو دھڑکا
سا
نہ جانے کون کہاں راستہ بدل
جائے

میں نے خالدہ کو گلے لگایا اسے تسلی دی۔

''یہ دنیا ہے..... یہاں کوئی کسی کا نہیں ہوتا ہم سب ایک دوسرے کے ساتھ اپنی اپنی خود غرضی کی ڈور سے بندھے ہوتے ہیں۔

جب غرض پوری ہوگئی تو تم کون ہم کون.....تم کن لوگوں میں وفا کے موتی تلاش کر رہی ہو۔''

''کوئی بات نہیں ڈاکٹر صاحبہ میں نے سب کچھ خدا کی رضا کیلئے کیا تھا کسی صلے کیلئے نہیں..... بندہ دوسرے کی خدمت بھول جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے تو ایک ایک عمل گن گن کر لکھ رکھا ہے۔ وہ اس دنیا میں اور آخرت میں مجھے ضرور اس کا اجر عطا فرمائیں گے۔ ہاں اب اس کا در ہی ایسا در ہے کہ اس سے امید لگائی جائے۔ تو وہ مایوس نہیں کرتا۔''

''لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ تم ایک دفعہ اس سے ضرور پوچھو کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔'' وہ جواب دئے بغیر دروازے سے باہر نکل گئی..... میں دنیا کے بارے میں سوچتی رہی۔

ایک دن آخری ہچکی کے ساتھ ہمارا ڈراپ سین ہو جائے گا۔

☆☆☆

آج پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا، جنید صاحب نے ابھی گھر میں قدم ہی رکھا تھا کہ اماں کا بلاوا آ گیا۔

''جنید ذرا پہلے ادھر آنا۔'' جیسے اسے پہلے کہیں اور جانا تھا۔

''جی اماں، سنائیے کیا حال ہے؟''

''حال تو ایسے پوچھ رہے ہو جیسے ابھی ولایت سے آئے ہو'' اماں جل کر بولیں۔ پھر جنید کی کھسیانی شکل دیکھ کر لہجہ بدل کر بولیں، ''تم بتاؤ بیٹا آج آفس میں کیسا دن گزرا؟ یہ موئے تمھارے افسر کیا صرف تمھارے ہی آسرے پر بیٹھے رہتے ہیں خود کچھ نہیں کرتے؟ کیسا منہ نکل آیا ہے محنت کر کر کے۔ ایک تو

اب میری ہڈیوں میں اتنی جان نہیں کہ تمھارے لیے کچھ بنا سکوں اور جس میں ہے اسے اپنے ہی اللے تللے سے فرصت نہیں۔'' اماں آہستہ آہستہ اپنے پسندیدہ موضوع کی طرف آئیں۔

''نہیں اماں'' جنید اماں کی بات سمجھ کر مسکرایا۔ ''جتنا سب کام کرتے ہیں اتنا ہی تو کرتا ہوں اور اچھی خاصی صحت ہو رہی ہے۔ کل ہی ناصر کہہ رہا تھا کہ وزن پر دھیان دو، ایک دفعہ بڑھ گیا تو قابو میں نہیں آئے گا۔''

''ارے چھوڑو ناصر کو اسے کیا پتا، اللہ بخشے تمھارے ابا مرحوم جب تک زندہ رہے گھر میں ہر وقت ان کی وجہ سے اہتمام رہتا تھا۔ دیسی گھی کے پراٹھوں سے میں ان کو اپنے ہاتھوں سے ناشتہ کراتی تھی ورنہ وہ تو بالکل تمھاری طرح لاپرواہ تھے۔'' اماں ماضی میں کھوتے ہوئے بولیں۔ ''انہی کی وجہ سے میں نے مرغیوں کا کھڑاگ پالا ہوا تھا کہ جب ذرا ان کو سست دیکھا جھٹ دو انڈے ابال کر کھلا دیئے۔ ہڈیوں کا سوپ تو روزانہ ہی سوتے ہوئے لازمی پلاتی تھی۔ یہ آج کل کی بیویوں کو آرام اور فیشن سے فرصت ملے تو شوہر کو پوچھیں نا۔ ہم تو کبھی پنجیری تو کبھی بادام کے حلوے میں ہی ہلکان رہتے تھے۔''

''کھا کھا کر ہلکان رہتی ہوں گی۔'' ربیعہ نے ساس کی قابل رشک صحت پر طنز کرتے ہوئے سوچا۔ وہ بیچاری ایسا صرف سوچ ہی سکتی تھی۔ اس کی تو اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ اندر جا کر اپنے شوہر کو سلام ہی کر سکے کیونکہ اسے پتا تھا کہ اس کی شکل نظر آتے ہی اس کی ساس پوری تفصیل کے ساتھ جنید کو ربیعہ کے پورے دن کی کارکردگی سنائیں گی اور ساتھ ساتھ لقمے بھی دیتی جائیں گی کہ ان کا دن کیسا گزرا تھا۔

''ابا ہی کا حوصلہ تھا کہ ان کی زبان کے ساتھ سمجھوتا کر لیا'' اس نے جلے دل کے ساتھ اپنے مرحوم سسر کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

وہ دروازے کی اوٹ میں اس طرح کھڑی تھی کہ صرف جنید کو نظر آ سکے اور اماں کی نظر سے اوجھل رہے۔ اس کے جنید کو نظر آنے کی صورت میں جنید کو اٹھنے کی یاد دہانی رہتی ورنہ اماں کا بس چلتا تو وہ اسے ایک لمحے کے لیے بھی بیوی کے پاس نہ جانے دیتیں۔

''پتا نہیں ایسی مائیں اپنے بیٹوں کی شادیاں کیوں کرتی ہیں شاید اس لیے تاکہ وہ بیٹوں کو دکھا سکیں کہ تمھاری اماں کے برخلاف دنیا میں بری بیویاں بھی ہیں اور اپنی عظمت کا جھنڈا مزید بلند کر سکیں۔'' ربیعہ کے ذہن میں بس ایسے ہی خیالوں کی یلغار رہتی تھی۔

اللہ اللہ کر کے اماں کی خود پذیرائی کی رسم ختم ہوئی تو جنید اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا جہاں ربیعہ

پھولے ہوئے منہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔

''ارے یار کچھ کھانے کو بھی ملے گا یا نہیں۔''
جنید نے شگفتہ لہجے میں ربیعہ کو مخاطب کیا۔

''کیوں؟ باتوں سے آپ کا پیٹ نہیں بھرا جو میرے پاس آئے؟'' ربیعہ کے پاس سے ایسے ہی جواب آنے کی امید تھی اور شاید جنید بھی عادی تھا اس لیے نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

''میں ذرا چینج کر کے آتا ہوں، تم فٹافٹ چائے بناؤ، بس ذرا خیال رکھنا چائے میں اپنی انگلی مت ڈالنا۔ کڑوی چائے پینے کا کوئی موڈ نہیں ہے۔''

''ہاں ساری کڑواہٹ تو میرے ہی اندر ہے۔''
ربیعہ نے اٹھتے ہوئے کہا اور جنید ہنستا ہوا واش روم میں گھس گیا۔

گھر میں یہ صرف تین ہی افراد تھے۔ دو خواتین اور ایک مرد۔ ان دونوں خواتین کا یہ دعویٰ تھا کہ اس مرد پر زیادہ حق ان کا ہے اور مرد بے چارہ پریشان کہ ایک کو راضی کرے تو دوسرا برہم اور دوسرے کو راضی کرے تو پہلا ناراض۔ اب کرے تو کیا کرے۔ ان تینوں کی مختصر سی دنیا تھی۔ جنید کے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب جنید اس دنیا میں آیا بھی نہیں تھا۔ اماں کو اب بھی وہ وقت یاد آتا تھا تو دل بھر آتا تھا۔ کتنے آرزوؤں اور تمناؤں کے بعد شادی کے دس سالوں کے بعد ان کا پاؤں بھاری ہوا تھا۔ جنید کے ابا تو ہواؤں میں اڑ رہے تھے۔ ان کو گھر میں ننھی منی آہٹیں سنائی دینے لگی تھیں۔ مگر اللہ کے حکم کے آگے کس کی چلتی ہے کہ جب اتنی چاہتوں اور مان کے ساتھ جنید نے دنیا میں آنکھ کھولی تو اس کے ناز اٹھانے والا ہی جا چکا تھا۔ کیا قیامت کا دور تھا، سارے رشتہ دار اماں کے پیچھے پڑ گئے کہ بچے کو نانی کے پاس چھوڑ کر دوسری شادی کر لو مگر اماں نہ مانیں۔ کہتی تھیں ''اس بچے کو باپ کی شفقت سے اللہ نے محروم کیا ہے، ماں کی ممتا سے میں محروم کر دوں؟'' تھک ہار کر رشتہ دار بھی پیچھے ہٹ گئے۔ وہ تو شکر ہے کہ سر پر چھت اپنی تھی اور چند دکانوں کا کرایہ آتا تھا کہ مالی طور پر اتنا بڑا دھچکہ نہیں لگا۔ ایسے حالات میں انھوں نے جنید کی پرورش کی کہ وہ تن تنہا اس کی تمام تر توجہ کا مرکز تھیں۔ اسکول سے لے کر کالج اور یونیورسٹی تک وہ گھر میں داخل ہی اماں کا نعرہ لگاتے ہوئے ہوتا تھا اور سارے دن کی تفصیلات بتائے بغیر چین سے نہیں بیٹھتا تھا۔ اماں لاکھ مصروف ہوں مگر وہ اپنے ہاتھوں سے ان کا چہرہ بار بار اپنی طرف موڑتا، ''میری بات تو سنیں، میری بات تو سنیں'' کی گردان لگائے رکھتا یہاں تک کہ اماں ہنستے ہوئے سارا کام چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتیں۔ ان حالات میں جب گھر میں ایک اور فرد کا اضافہ ہوا

اور جنید کی توجہ فطری طور پر بیوی کی طرف ہونے لگی تو اماں کے دل میں کانٹا سا چبھنے لگا۔ وہ دل سے نہیں چاہتی تھیں کہ میاں بیوی کے درمیان حائل ہوں مگر جب ان کا لاڈلا بیوی کے لاڈ اٹھاتا یا اس کی طرف مسکرا کر بھی دیکھتا تو پتا نہیں ان کو کیا ہو جاتا تھا۔ شاید انھیں یہ ڈر تھا کہ بیٹے کی نظر میں ان کی اہمیت کم ہو جائے گی اور اسی خطرے کے پیش نظر وہ ربیعہ کی ایک ایک خامی جنید کے سامنے تفصیل سے بیان کرتیں تاکہ جنید اپنی بیوی کو کوئی اہم ہستی نہ سمجھنے لگے۔

دوسری طرف ربیعہ جو اکیلے گھر کا تصور لے کر آئی تھی، یہاں آ کر اس کے ارمانوں پر بجلی سی گری تھی۔ اس نے تو ہر ایک سے یہی سنا تھا اکیلا لڑکا ہے، ایک بوڑھی ماں ہے، کونے میں پڑی رہے گی، ہماری ربیعہ تو راج کرے گی راج۔ یہاں آ کر پتا چلا کہ راج کرنا تو دور کی بات جنید کی اماں تو اسے اپنی راجدھانی میں ہی شامل کر لیں تو بڑی بات ہے۔ وہ اپنی طرف سے بہت کوشش کرتی کہ کسی طرح اماں کو خوش کر لے مگر انھوں نے نجانے کون سی قسم کھائی تھی کہ ماتھے کے بل کم ہی نہ ہوتے تھے۔ جنید سے تو بہت مطمئن تھی وہ نہ صرف اس کا بہت خیال رکھتا، اس کے ناز اٹھاتا بلکہ اماں کے کہنے میں آ کر اس سے باز پرس بھی نہیں کرتا تھا۔

ابھی کل ہی کی تو بات تھی، صبح ربیعہ کو اپنی طبیعت کچھ بوجھل محسوس ہو رہی تھی۔ جنید کے اٹھانے کے باوجود اس کی آنکھ نہیں کھل پا رہی تھی۔ جنید نے جب یہ دیکھا تو اسے اٹھنے سے منع کر دیا اور خاموشی سے خود ہی ٹوسٹ کا ناشتہ کر کے چلا گیا۔ دن چڑھے جب ربیعہ کی طبیعت کچھ سنبھلی تو وہ اٹھی۔ کچن کے دروازے پر ہی اسے اماں مل گئیں۔

''آج پھر جنید یہ موئی ڈبل روٹی کا ناشتہ کر کے گیا ہے؟'' پتا نہیں ''پھر'' سے ان کی کیا مراد تھی۔ ربیعہ روز ہی پراٹھے بناتی تھی اور اگر جنید کبھی ڈبل روٹی کا ناشتہ کرتا بھی تھا تو خالصتاً اپنی مرضی سے کہ اس کا دل بھاری ناشتہ کرنے کو نہ چاہ رہا ہوتا۔

''جی اماں مجھے تو پتا نہیں، میری تو طبیعت خراب ہو رہی تھی تو انھوں نے مجھے اٹھایا ہی نہیں۔ پتا نہیں کب چلے گئے۔'' ربیعہ منمنا کر رہ گئی۔

''شاباش ہے بھئی شاباش۔ اب یہ کھیل بھی میری آنکھوں کے سامنے کھیلا جائے گا کہ بیگم صاحبہ کی طبیعت خراب ہے اور وہ بیچارہ بھوکا کام پر جائے گا۔ اگر تم سے یہ کام نہیں ہوتے تو صاف صاف بتا دو اور اپنے گھر کی راہ لو۔ ابھی اتنا تو دم ہے مجھ میں کہ بیٹے کے ناشتے کھانے کی فکر کر لوں۔'' اماں کے الفاظ تھے کہ انگارے، ربیعہ کو لگا جیسے اس کا وجود جل کر راکھ ہو

گیا ہو۔ اتنے سے قصور پر اتنی باتیں؟ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح ان کی ساری باتیں ریکارڈ کر کے جنید کو سنا دے اور پوچھے کہ کیا اس کا قصور اتنا سنگین تھا؟ مسئلہ یہ تھا کہ بات یہیں پر ختم نہیں ہونی تھی۔ بلکہ اب اماں کو دس پندرہ دنوں کے لیے ایک موضوع مل گیا تھا۔

دروازے پر ہونے والی دستک سے وہ اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر آئی۔ دروازہ کھولا تو سامنے ایک خاتون کھڑی تھیں۔ ''السلام علیکم، ہم لوگ آپ کے نئے پڑوسی ہیں۔ ہمیں ایک ہفتہ ہو گیا ہے یہاں آئے ہوئے۔ دراصل سامان کی سیٹنگ میں ابھی تک مصروف تھی اس لیے محلے میں کسی سے مل نہ سکی۔ اب تھوڑی فرصت ملی ہے تو سوچا کہ دیوار بیچ پڑوسی کا تو پہلا حق ہے۔''

''اوہ اچھا، وعلیکم السلام، اندر آئیں پلیز۔'' وہ شرمندہ شرمندہ سی ان خاتون کو ڈرائنگ روم میں لے ائی۔ وہ کب سے سوچ رہی تھی کہ اپنے ان پڑوسیوں سے مل آئے مگر گھر میں موجود خود ساختہ ٹینشن نے اس کو دماغی طور پر اتنا تھکا دیا تھا کہ وہ ایسی کسی سرگرمی کے لیے خود کو تیار نہ کر سکی اور اب ان کے معذرت کرنے پر شرمندگی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ جلدی سے کچن سے اسکواش بنا کر لائی تو اماں پہلے ہی پہنچی ہوئی تھیں اور وہ خاتون بڑے ادب سے ان کے ساتھ محو گفتگو تھیں۔ خاتون جنھوں نے اپنا نام زبیدہ بتایا تھا، اپنی ساس کی تعریف کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں کہ ''جب سے امی نے میرے ساتھ آ کر رہنا شروع کیا ہے، مجھے اتنی آسانی ہو گئی ہے، بچوں کو بھی دل بہلانے کے لیے دادی کے قصے کہانیوں کا سہارا ہو گیا ہے اور میرے بھی وہ کتنے ہی کام بیٹھے بیٹھے کر دیتی ہیں۔''

''آہ! ہر ایک کی اتنی اچھی قسمت کہاں'' ربیعہ نے دل ہی دل میں ٹھنڈی آہ بھری۔ ربیعہ کو اس بات پر بڑی حیرت ہو رہی تھی کہ زبیدہ باجی کو اماں نے دوسرے موضوعات میں اتنا الجھائے رکھا کہ وہ اپنے پسندیدہ موضوع یعنی ''ربیعہ'' کی طرف آ ہی نہ سکیں۔ جب بھی اماں ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولنا شروع ہوتیں، ''کیا بتاؤں بیٹا، ہر ایک کو تمھاری جیسی بہو تو نہیں ملتی۔'' زبیدہ باجی ان کو غیر محسوس طریقے سے دوسرے ٹاپک کی طرف موڑ دیتیں۔ آخر میں اٹھتے ہوئے انھوں نے دونوں کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ ربیعہ کو بھی زبیدہ باجی میں ایک خاص کشش محسوس ہو رہی تھی اس لیے اس نے فوراً ہی کل آنے کی ہامی بھر لی۔

دوسرے دن ربیعہ نے سالن پکا کر اور آٹا

گوندھ کر اماں کو اطلاع دی کہ وہ زبیدہ باجی کے گھر جا رہی ہے۔ اماں نہ جانے کس موڈ میں تھیں کہ نہ انھوں نے دوپہر کے کھانے کے بارے میں پوچھا اور نہ جنید سے اجازت لینے کے متعلق۔ کہنے لگیں ''کچھ سالن وغیرہ پکا ہے تو تھوڑا سا لے جاؤ، خالی ہاتھ نہ جانا۔'' وہ جلدی سے کچن میں گئی آلو گوشت کا سالن پکایا تھا۔ تھوڑا سا پیالے میں نکالا، ہرا دھنیہ باریک کاٹ کر اوپر ڈالا اور پڑوس میں چل دی۔

دروازہ کھٹکھٹانے پر ایک بچے نے کھولا۔ اندر سے کسی خاتون کی تیز بولنے کی آواز آ رہی تھی جیسے کسی کو ڈانٹ رہی ہوں۔ اتنے میں بچے کے پیچھے زبیدہ باجی نمودار ہوئیں اور مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئیں۔

''امی دیکھیے یہ ہماری پڑوسن ہے ربیعہ۔ اس کے متعلق بتایا تھا نا آپ کو، بڑے ہی اچھے لوگ ہیں اور ربیعہ تو میری دوست بن گئی ہے۔'' انھوں نے ربیعہ کو ایک بوڑھی خاتون سے متعارف کرایا جن کے ماتھے کے بل بتا رہے تھے کہ ان ہی کی آواز دروازے تک آ رہی تھی۔

''ربیعہ یہ میری امی ہیں۔''

''السلام علیکم'' اس نے ادب سے سلام کیا۔

''وعلیکم'' نہایت کرخت آواز میں جواب آیا۔

''ارے اس کی کیا ضرورت تھی؟'' زبیدہ باجی ربیعہ کے پیالہ بڑھانے پر بولیں۔ ''تمھارا اپنا گھر ہے بھئی تم آرام سے بیٹھو، میں ذرا یہ رکھ کر آتی ہوں۔''

''میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔'' اس نے جوان کی ساس کو برابر والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے دیکھا تو ہڑبڑا کر کھڑی ہوگئی۔

''ارے بیٹھو، تم کہاں گرمی میں اندر جا رہی ہو؟'' ان کی ساس اچانک مہربان بن گئیں۔ مگر ربیعہ کو ان کی ہمدردی مہنگی پڑ گئی۔ جب تک زبیدہ باجی شربت کے دو گلاس بنا کر لائیں، اس وقت تک انھوں نے اپنے سلیقے اور زبیدہ باجی کے پھوہڑ پن سے اچھا خاصا بریف کر دیا۔ ان کی گفتگو کا آخری حصہ تو زبیدہ باجی نے بھی اندر آتے ہوئے سن لیا۔ ''بس بیٹا، باقی بچے باہر رہتے ہیں اس لیے گزارا کرنا پڑتا ہے یہاں۔''

ربیعہ نے شرمندہ شرمندہ نظروں سے زبیدہ باجی کی طرف دیکھا جیسے اس ساری گفتگو میں اس کا کوئی قصور ہو مگر یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہاں تو کسی قسم کی ناخوشگواری کا نام و نشان بھی نہیں بلکہ وہی مسکراہٹ جو کل بھی ان کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی ابھی بھی موجود تھی۔

''اور سناؤ ربیعہ کیا مصروفیت ہوتی ہے گھر میں؟'' زبیدہ باجی نے پوچھا۔

''جلنا، کڑھنا اور ٹینشن کا شکار رہنا'' اس نے یہ دل میں سوچا مگر زبان سے بولی ''تین افراد کا کام ہی کیا ہوتا ہے، بس فارغ ہی رہتی ہوں۔''

''لو خالی ذہن تو شیطان کا کارخانہ ہوتا ہے۔ فارغ ہوتی ہو تو کتابیں پڑھا کرو، ان سے بڑھ کر کوئی دوست نہیں ہوتا۔''

ان کی ساس اس عرصے میں اپنے چھوٹے والے پوتے کو ڈانٹ رہی تھیں جو ان سے کوئی فرمائش کر رہا تھا۔ آخر ہار مان کر وہ اس کی فرمائش پوری کرنے کے لیے اٹھ گئیں مگر جاتے جاتے بھی وہ اپنا شربت کا گلاس لے جانا نہ بھولیں۔

ان کے جانے کے بعد ربیعہ نے چاہا کہ زبیدہ باجی سے پوچھے کہ آپ تو اپنی ساس کے بارے میں کچھ اور ہی کہہ رہی تھیں مگر اسے مناسب نہیں لگا۔ پھر وہ کچھ ادھر ادھر کی باتیں کر کے آ گئی۔

زبیدہ باجی پڑوس میں کیا آئیں ربیعہ کی تو دل کی مراد پوری ہوئی۔ کبھی جلدی میں بازار سے کچھ منگوانا ہوا تو ان کے بچے کو بھیج دیا۔ کبھی کوئی مہمان آ گئے یا دعوت رکھی تو وہ صبح سے مدد کرانے آ جاتی تھیں۔ دھیمے دھیمے لہجے میں باتیں کرتیں زبیدہ باجی ربیعہ کے دل میں گھر کر گئیں۔ جب جب ربیعہ ان کے گھر جاتی ان کی ساس کو کسی نہ کسی پر برستے ہوئے ہی دیکھتی۔ کبھی کسی بچے کی شامت آئی ہوتی، کبھی ماسی کی اور کبھی خود زبیدہ باجی کی مگر ربیعہ نے ان کے چہرے پر کبھی اپنی ساس کے جملوں پر ناگواری کا تاثر نہیں دیکھا، نہ کبھی پیٹھ پیچھے برائی کرتے ہوئے سنا۔ اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی کہ زبیدہ باجی میں برداشت کا مادہ خدا نے عام انسانوں سے کچھ بڑھ کر رکھا ہے مگر جس طرح سے وہ اپنے چہرے کے تاثرات میں بھی کوئی فرق نہیں آنے دیتی تھیں، ربیعہ کو بڑی حیرت میں مبتلا کرتی تھیں۔

ادھر ربیعہ کے گھر کے معمولات ویسے ہی تھے، کبھی ٹھنڈے کبھی گرم، کبھی اچھے تو کبھی خراب۔ ربیعہ کتنی ہی کوشش کر لیتی کہ امی جان کو اس سے کوئی شکایت نہ ہو مگر انجام وہی ہوتا۔ کوئی نہ کوئی بات ان کے مزاج کے خلاف ہو ہی جاتی۔ زبیدہ باجی کی دیکھا دیکھی وہ جتنا چاہتی کہ امی جان کے ارشادات سن کر نہ اس کی آنکھیں بھیگیں اور نہ دل برا ہو مگر بے فائدہ۔ نہ صرف یہ کہ اس کی آنکھیں دھڑا دھڑ آنسو بہانے لگتیں اور دیکھنے والے کو صاف پتہ چل جاتا کہ کچھ ہوا ہے بلکہ اس کے دل میں بھی ساس کے لیے گنجائش ختم ہوتی جاتی۔

آج بھی یہی ہوا۔ ماسی نے آج چھٹی کر لی تھی چونکہ گزشتہ دن اس کی ساس کی بہن اپنی بہو بیٹیوں کے ساتھ آئی تھیں تو اس لیے گھر بھی کافی پھیلا ہوا تھا۔ بچوں نے خوب گندگی مچائی تھی۔ رات تھکن کی وجہ سے اس نے باورچی خانہ سمیٹ کر گندے برتن ماسی کے لیے سائیڈ میں رکھ دیے تھے۔ باقی سب ایسا ہی چھوڑ کر سوگئی تھی۔ دوسرے دن گیارہ بجے جب یقین ہوگیا کہ ماسی صاحبہ تشریف لانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتیں تو وہ صفائی میں لگی۔ پھیلا ہوا سمیٹ کر جھاڑو لگائی، ڈسٹنگ کی، پھر کچن میں جب برتنوں کا ڈھیر یاد آیا تو بخار سا چڑھنے لگا۔ جلدی جلدی وہ دھو کر ٹھکانے لگایا تو ساڑھے بارہ بج چکے تھے۔ اس کی ساس دوپہر کا کھانا بھی جلدی کھاتی تھیں۔ کل کا سالن اتنا تو تھا کہ دونوں ساس بہو کو کافی ہو جاتا مگر بقول اس کی ساس کے نہ باسی انھوں نے خود کھایا تھا نہ اپنے بیٹے کو کھلایا تھا۔ اس لیے جلدی سے فریزر سے چکن نکالا۔ ابھی پیاز کاٹ ہی رہی تھی کہ فون کی بیل بجی۔ اس کی کالج کی دوست کا فون تھا۔ آج زمانے بعد اس کو یاد آئی بھی تو کس دن! اب فوری جلدی بند کرتے ہوئے بھی تو اچھا نہیں لگتا، کوئی پندرہ بیس منٹ بعد فون بند ہوا تو وہ دوبارہ کچن میں آئی۔ جلدی جلدی سالن چڑھایا۔ چاول بھی دوپہر میں تھوڑے سے ضرور بنتے تھے۔ مارے جلدی کے اس سے پانی کی مقدار ذرا زیادہ ہوگئی۔ بس یہی غضب ہوگیا۔ چاول تھوڑے سے بیٹھ گئے کم از کم ربیعہ کو تو وہ تھوڑے سے ہی بیٹھے لگے۔ جب کھانا اس نے ٹیبل پر لگایا اور اپنی ساس کو بلا کر لائی تو دل ہی دل میں ڈر رہی تھی اور ہوا بھی وہی جس کا ڈر تھا۔ اس کی ساس نے جب چاولوں کی کھیر دیکھی تو ان کا پارہ چڑھ گیا۔ ربیعہ کی کون کون سی غیر ذمہ دارانہ حرکت تھی جو ان کو یاد نہ آئی۔ ربیعہ کو بہت دکھ ہوا کہ صبح سے جو وہ لگی ہوئی تھی تو وہ ان کو نظر نہیں آیا۔ ایک ذرا سی غلطی کیا ہوگئی لٹھ لے کر پیچھے ہی پڑ گئیں۔ خیر جیسے تیسے کھانا ختم کیا۔ اب لمبی دوپہر بھی کاٹنی تھی اور دل بھی بھرا ہوا تھا، اس لیے اس نے سوچا کہ زبیدہ باجی کی طرف ہی چلا جائے۔ وہ دوپہر میں سونے کی عادی نہ تھیں۔ امی سے پوچھا انھوں نے حسب عادت ایک دو باتیں سنا کر اجازت دے دی۔

زبیدہ باجی اپنے بچوں کو کسی کتاب سے کہانی سنا رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر مسکرا کر اٹھنے لگیں۔ ادھوری کہانی چھوڑنے پر بچے طرح طرح کے منہ بنانے لگے جسے دیکھ کر ربیعہ کو ہنسی آ گئی۔

''نہیں نہیں زبیدہ باجی آپ کہانی ختم کر لیں، میں تو ویسے ہی آ گئی تھی، چلیں کہانی میں بھی سن لوں

گی۔''

''چلو ٹھیک ہے، کہانی ویسے بھی ختم ہی ہو رہی تھی۔'' کہتے ہوئے انھوں نے کتاب دوبارہ کھولی اور کہانی کا سلسلہ دوبارہ جوڑا۔ ربیعہ کہانی سنتے ہوئے ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو غور سے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ ان کے چہرے پر کتنا سکون اور اطمینان ہے۔ حالانکہ ان کو تو دہری تہری ٹینشن سے گزرنا پڑتا ہے۔ نہ صرف ساس زبان کی تیز ہیں بلکہ نندیں بھی جب آتیں کوئی کسر چھوڑ کر نہ جاتیں۔ پھر اوپر سے شوہر بھی شاہانہ مزاج کے حامل۔ یہ سب باتیں زبیدہ باجی نے تو کبھی اسے نہیں بتائی تھیں مگر اتنے دنوں سے پڑوس میں رہ رہ کر اسے خود اندازہ ہو گیا تھا۔ آخر ایسا کون سا نسخہ ہے ان کے پاس کہ ایسے حالات کے باوجود ان کے چہرے پر اس کے کوئی اثرات نہیں تھے۔ اس نے سوچا آج یہ راز دریافت کر ہی لے شاید کہ اسے بھی فائدہ ہو جائے۔ لہٰذا جب بچے کہانی سن کر سو گئے اور زبیدہ باجی کتاب رکھ کر اس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں تو اس نے ان سے وہ سوال کر ہی دیا جو نہ جانے کب سے اس کے دل میں تھا۔

زبیدہ باجی سوال سن کر مسکرائیں اور کہنے لگیں۔

''تم یقین نہیں کرو گی کہ میں ہمیشہ سے ایسے ہی ٹینشن فری نہیں تھی، میں بھی تمھاری طرح ذرا ذرا سی بات پر دل ہار دینے والی اور مایوس ہو جانے والی تھی۔ تمھاری کیفیت مجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہے، مجھے ایسا لگتا ہے جیسے پرانی والی زبیدہ دوبارہ میرے سامنے کھڑی ہو جس کی آنکھیں ہر وقت نم ہوں اور دماغ ہر وقت کسی نہ کسی سوچ میں۔ میں تم سے خود بات کرنے والی تھی بس موقع کی تلاش میں تھی اچھا ہوا تم نے خود ہی بات چھیڑ دی۔''

ربیعہ تو واقعی بہت حیران ہوئی اس نے تو ہمیشہ زبیدہ باجی کو ہنستے مسکراتے ہی دیکھا تھا۔ یہ تصور ہی اس کے لیے محال تھا کہ زبیدہ باجی بھی کبھی آنسو بہاتی ہوں گی، اس کی طرح جلتی کڑھتی ہوں گی۔

''دراصل ربیعہ میرے ہاتھ ایک نادر نسخہ آ گیا تھا۔'' زبیدہ باجی مزید گویا ہوئیں۔

''وہ کیا؟'' ربیعہ نے بے ساختہ پوچھا۔

''میری ایک بزرگ ہیں۔ ہماری دور کی رشتہ دار ہیں کبھی کبھار آنا جانا ہو جاتا ہے۔ ایک دن میرے گھر آئیں اور میرے حالات دیکھے تو کہنے لگیں ''زبیدہ بچی تم اپنا باس بدل لو۔''

''باس؟'' ربیعہ حیرت سے بولی، ''کیا مطلب؟''

''ہاں باس''، زبیدہ باجی نے بڑے اطمینان سے کہا پھر ربیعہ سے پوچھا، ''دیکھو، باس کس کو کہتے

طاہرہ کامران

# مرشدِ کامل

ہیں؟''

''جس کے لیے آپ نوکری کرتے ہیں۔'' ربیعہ نے الجھتے ہوئے جواب دیا۔

''بالکل ٹھیک''، زبیدہ باجی نے کہا ''اچھا اب بتاؤ اگر میں اپنی ساس کو خوش کرنے کے لیے کام کر رہی ہوں، تو وہ میری باس ہوئیں نا؟''

''ہیں! تو کیا انھوں نے آپ کو ساس بدلنے کا مشورہ دیا تھا؟'' حیرت کے مارے ربیعہ چیخی۔

''ارے نہیں بھئی'' زبیدہ باجی کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ ''پوری بات تو سنو۔''

''اچھا اچھا سنائیں۔'' ربیعہ خاموش ہوگئی۔

''اور اگر میں اپنے شوہر کو خوش کرنے کے لیے کام کروں گی تو شوہر میرا باس ہوا، اگر بچوں کو خوش کرنے کے لیے کام کروں گی تو بچے میرے باس ہوئے۔ بس میرے اتنے سارے باسوں کو دیکھ کر انھوں نے مشورہ دیا کہ میں باس بدل لوں۔''

''میں بات ابھی بھی نہیں سمجھی زبیدہ باجی۔'' ربیعہ ہنوز باس کی گردان میں الجھی ہوئی تھی۔

''میں نے ابھی سمجھائی کہاں ہے؟'' زبیدہ باجی نے بھی تجسس پیدا کرنے کی انتہا کر دی۔

''ان خاتون نے مجھ سے کہا کہ زبیدہ تو اتنے لوگوں کو خوش کرنے اور رکھنے کی کوشش میں ہلکان ہوئی جاتی ہے جبکہ ان سب کو بیک وقت خوش کرنا تیرے لیے ناممکن ہے۔ مگر اس ہستی کی تجھے کوئی فکر نہیں جس کو خوش کرنا بھی آسان اور خوش رکھنا بھی۔''

''وہ کون ہے؟'' ربیعہ نے بے اختیار پوچھا۔

''ہاں میں نے بھی یہی پوچھا تھا،'' زبیدہ باجی نے کہا پھر مزید کہنے لگیں ''انھوں نے مجھے زندگی کا ایسا درس دیا ہے جو آج تک میرے کام آ رہا ہے۔ انھوں نے مجھے کہا کہ زبیدہ تو اپنی ساس، اپنے شوہر، اپنے بچوں اور اپنے گھر کے لیے کام کرنے کے بجائے اپنے اللہ کے لیے کام کیوں نہیں کرتی؟''

''لو خالہ، آپ بھی کیا بات کرتی ہیں، یہ گھر کے کام مجھے چھوڑتے ہیں؟ ان ہی میں ہلکان ہوئی جاتی ہوں اور آپ کہتی ہیں میں تبلیغ کے لیے باہر نکلنا شروع کر دوں۔ مانا کہ تبلیغ کا بڑا اجر ہے مگر عورت کے لیے اس کے گھر کے کام ہی اس کی ذمہ داری ہیں۔''

''ارے پگلی یہی تو میں تمھیں سمجھانا چاہ رہی

ہوں۔'' خالہ نے ہنستے ہوئے کہا، ''تبلیغ کے لیے نکلنا ہی اللہ کا کام نہیں ہوتا۔ یہ جو تم صبح سے اٹھ کر گھر کے کاموں میں لگتی ہو اور گھر کے ہر فرد کے آرام کا خیال کرتے کرتے رات کو تھکن سے چور لیٹتی ہو تو یہ تم سارے اللہ ہی کے تو کام کر رہی ہوتی ہو۔ بس نیت کے فرق سے سارے اجر سے محروم ہوتی جاتی ہو۔''

''زبیدہ باجی، مجھ سے آسان زبان میں بات کریں۔'' ربیعہ کچھ کچھ سمجھتے ہوئے بولی۔

''ہاں ہاں دیکھو میں تمھیں سمجھاتی ہوں جیسا انھوں نے مجھے سمجھایا۔ زبیدہ باجی نے ربیعہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا، ''انھوں نے کہا دیکھو زبیدہ جب تم صبح اٹھ کر بچوں کو اسکول کے لیے اٹھاؤ اور ان کے ناشتے اور لنچ کا انتظام کرو تو یہ سوچتے ہوئے کرو کہ یہ اللہ کی طرف سے عائد کردہ تمھاری ذمہ داری ہے اور تم اپنے بچوں کو تیار کر کے علم حاصل کرنے کے لیے بھیج رہی ہو۔ اسی طرح اپنے شوہر کو بھیجتے ہوئے دل میں یہ نیت کرو کہ وہ تمھارے لیے حلال روزی کمانے جا رہا ہے۔ اس کا حلال کمانا اللہ کے نزدیک عبادت ہے تو تم اس عبادت میں اس کا ہاتھ بٹا رہی ہو۔ شوہر اور بچوں کے نخرے برداشت کرتے ہوئے تم یہ سوچو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ ذمہ داریاں ہیں جو تم ادا کر رہی ہو اور اس کا اجر تمھیں اللہ تعالیٰ سے ہی لینا ہے۔ بالکل اسی طرح اگر تم ساس کا ایک جوڑا بھی استری کرو تو ان کو خوش کرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنے اللہ کو خوش کرنے کے لیے کہ وہ صلہ رحمی کرنے والوں اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے والوں سے خوش ہوتا ہے۔ تم دیکھو گی کہ جب تم اللہ کے لیے کام کرو گی تو نہ تم کو بچوں کے نخرے برے لگیں گے، نہ شوہر کی چیخ و پکار اور نہ ساس کا مین میخ نکالنا، کیونکہ تم نے ان کو خوش کرنے کے لیے تو یہ کیا ہی نہیں ہوگا۔''

''مگر یہ کیسے پتہ چلے گا کہ جس کو خوش کرنے کے لیے کر رہے ہیں وہ بھی خوش ہو رہا ہے یا نہیں؟'' ربیعہ نے اپنے حساب سے بڑے پتے کا سوال اٹھایا۔

''ایسے'' زبیدہ باجی نے اپنی شہادت کی انگلی اپنے دل کے مقام پر رکھتے ہوئے کہا ''تمھارا دل گواہی دے گا کہ وہ خوش ہوا ہے۔ تم اپنے دل میں وہ سکون اور اطمینان محسوس کرو گی جو تم نے اس سے پہلے محسوس نہیں کیا اور سب سے بڑی بات جو تم کو بتا دے گی کہ تمھارا رب تم سے راضی ہے وہ یہ کہ تمھارا دل نماز میں لگنے لگے گا۔''

ربیعہ کی پرسوچ نظروں کو دیکھ کر انھوں نے اپنی بات کو مزید بڑھایا، ''دیکھو ہماری نمازوں کا کیا حال ہوتا ہے اول تو گھر کے کاموں سے فرصت نہیں ملتی اور

جو ملتی ہے تو اس میں وہ سارے کام یاد آتے ہیں جو کرنے سے رہ گئے ہوں، وہ سانس لینے کو رکیں، ''مگر اگر اللہ کو خوش کرنے کی کوشش ہو تو پھر گھر کے کام بھی حائل نہیں ہوتے کیونکہ ہمیں پتا ہوتا ہے کہ اگر نماز نہ پڑھی تو صبح سے جن کاموں میں میں لگی ہوئی ہوں وہ سب ضائع ہو جائیں گے اور دنیا کے کام شمار ہوں گے۔ اس لیے نماز چھوٹنے کا تو امکان ہی ختم ہو جاتا ہے۔ رہا نماز میں خشوع وخضوع کا سوال تو ظاہر ہے جب دل کی بات اللہ ہی سے کرنی ہے اور کسی سے نہیں کرنی تو دل بھی نماز میں خوب لگے گا۔''

''خیر دل کی بات تو ہم اپنی ماں بہنوں سے بھی کر لیتے ہیں، ظاہر ہے میکہ ہی تو ہماری پناہ گاہ ہوتا ہے۔''

''یہی تو ہماری غلط فہمی ہے۔'' زبیدہ باجی نے محبت سے ربیعہ کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا، ''ہم لڑکیاں اپنے میکے جا کر اپنے سسرال والوں کی خوب برائیاں کرتے ہیں اور نتیجے میں اپنے سارے اجر کو کھو دیتے ہیں جو ہمیں خاموشی سے برداشت کرنے پر ملا ہوتا ہے۔ ہماری مائیں بھی اس کو غیبت نہیں سمجھتیں کہ بچی اپنے دل کا بوجھ تو ہلکا کرتی ہے، کہیں اور تو نہیں کچھ کہتی نا۔''

''ہاں تو اور کیا؟ دل کی بھڑاس نکالنے کا کوئی موقع تو ملنا چاہیے نا! ورنہ تو وہ اندر لاوے کی طرح پکتا رہے گا اور ایک دن پھٹ جائے گا۔'' ربیعہ کسی فلسفی کی طرح گویا ہوئی۔

''مگر مزے کی بات تو یہ ہے کہ کہہ سن کر دل ہلکا بھی تو نہیں ہوتا بلکہ مزید دل کا بوجھ بڑھ جاتا ہے۔'' زبیدہ باجی نے سمجھایا۔

☆☆☆

؎ میں ہوں اور انتظارِ بے انداز

کی تصویر بنی فائزہ کے کان فون کی گھنٹی بجنے کے منتظر تھے۔ اسی دوران صحن میں ٹہلتے ٹہلتے وہ تھک کر کمرے میں داخل ہونے ہی والی تھی کہ فون کی بیل بجی جسے اس کی والدہ ثریا بیگم نے ریسیو کیا۔ اس لمحے فائزہ کو یوں لگا جیسے اس کا پورا وجود کان بن گیا ہو۔ لیکن ثریا بیگم کی جی جی اور لہجے کی مایوسی نے فائزہ کو ہمیشہ کی طرح اس بار بھی مایوسیوں کے اتھاہ سمندر میں دھکیل دیا۔ امید ٹوٹ چکی تھی۔ لڑکے والوں کی طرف سے انکار ہو چکا تھا۔ وہ بے دم سی ہو کر بستر پر ڈھے گئی۔

اپنے تئیں فائزہ نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کیا اور والدہ کو بتانے کے لئے جیسے ہی ان کے کمرے میں داخل ہوئی انہیں زمیں پر گرا پایا۔ فائزہ کے تو جیسے ہوش

اُڑ گئے۔

''امی جان، امی جان'' فائزہ نے ہذیانی انداز میں چلاتے ہوئے جیسے ہی والدہ کو چھوا اسے لگا جیسے کسی برف کی سلیب پر ہاتھ ٹکرا گیا ہو۔ فائزہ تیزی سے باہر لپکی اور پکارا۔ ٹی وی پر خبریں سنتے شیخ صاحب بھی تیزی سے اٹھے اور کچھ لمحوں بعد دونوں باپ بیٹی ثریا بیگم کو ہسپتال لے پہنچے۔ ڈاکٹرز نے فوری طور پر انہیں وارڈ میں شفٹ کر دیا۔ ثریا بیگم کا بلڈ پریشر بڑھنے کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہوگئی تھی۔

فائزہ نے چاہا کہ اپنی دونوں بڑی بہنوں کو جو شادی شدہ تھیں اور دوسرے شہروں میں مقیم تھیں، اطلاع دی جائے۔ لیکن شیخ صاحب نے فوری طور پر بیٹیوں کو اطلاع دینا مناسب نہ سمجھا اور طے کیا کہ ثریا بیگم کی حالت سنبھلنے پر ہی انہیں باخبر کیا جائے گا۔ رات بھر فائزہ اور شیخ صاحب خدا کے حضور ثریا بیگم کی سلامتی کی دعائیں مانگتے رہے۔ صبح چار بجے ثریا بیگم کی حالت قدرے بہتر ہونا شروع ہوگئی۔ اور سورج کے طلوع ہونے کے ساتھ ہی تینوں گھر آ گئے۔

آج فائزہ کی نہایت عزیز دوست کی منگنی کی تقریب تھی۔ چار لڑکیوں کے اس گروپ میں اب صرف فائزہ ہی کنواری رہ گئی تھی۔ لیکن فائزہ اس اہم تقریب کو بھلا کر والدہ کی خدمت میں لگ گئی۔ بڑی بہنوں سمیت قریبی رشتہ داروں کو بھی مطلع کیا گیا۔ رشتہ داروں کی آمد کا مختصر سلسلہ دن بھر چلتا رہا۔ ہر شخص کھوج میں تھا کہ ثریا بیگم کی طبیعت اچانک خراب ہونے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے اور گھوم پھر کر نظریں جوان لڑکی پر ہی ٹکتیں۔

اگلے دن پڑوسن سکینہ بھی ثریا بیگم کی طبیعت کی ناسازی کی اطلاع پا کر پہنچ گئیں۔ اور آتے ہی گویا ہوئیں۔

''اے بہن! اب اپنی جان گھلانا چھوڑو اور میری مانو فوراً میرے ساتھ پیر صاحب کرامت کے آستانے پر چلو۔ تمہاری لڑکی پر بندش ہے اچھے بھلے رشتے واپس چلے جاوے ہیں۔'' لیکن ہمیشہ کی طرح اس بار والدہ نے انہیں ٹوکنے کے بجائے خاموشی سے تکنے پر ہی اکتفا کیا۔ سکینہ اپنی کہہ سن کر چلتی بنیں۔

گزرے دن کے واقعات کے اثر کو کم کرنے کے لئے ثریا بیگم اور فائزہ اپنے صحن میں امرود کے درخت کی چھاؤں میں بیٹھ کر چائے پی رہی تھیں۔ شام کی ٹھنڈی ہوا رگ و پے میں اتر کر طمانیت کا احساس دے رہی تھی۔ اچانک چائے پیتی ثریا بیگم کی نظر امرود کے درخت پر لٹکتی پرانی بوسیدہ پوٹلی پر پڑی..... ''یا اللہ خیر'' پڑوسن سکینہ کا بویا بیج شاید اثر دکھانے لگا تھا۔ ورنہ شیخ صاحب اور ثریا بیگم کبھی ایسے توہمات پر یقین نہ رکھتے تھے۔ ثریا بیگم نے فائزہ کی مدد سے پوٹلی اتار کر اسے کھولا۔ پوٹلی پرانے بوسیدہ سکوں سے بھری پڑی تھی۔

# محترمہ حمیرہ مودودی سے ایک ملاقات

محترمہ حمیرہ مودودی کا نام اور شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ نفیس جذبوں اور دینی حمیت سے مالا مال وہ کسی ایسے سپہ سالار کی مانند دکھائی دیتی ہیں جو ہمہ وقت جدوجہد اور مسلسل عمل کی ترغیب دلاتا ہے۔ آپ بانگ دہل ہر بات کہنے کی عادی ہیں۔ انگریزی ادب کی استاد رہی ہیں۔ ان کے خطیبانہ انداز میں ایسی دلکشی ہے جیسے کوئی صاف پانی کا چشمہ رواں ہو اور سخت پتھروں کو بہا کر لے جائے۔ آپ کی گفتگو اور دروس کلام اقبال سے مزین ہوتے ہیں۔ مخاطب کو متاثر کرنے کے فن سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ سامع کی توجہ ادھر ادھر ہٹنے نہیں دیتیں اور ہر کسی کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہیں۔

ہر ہفتے کو صبح دس سے بارہ بجے تک ان کے ہاں درس قرآن ہوتا ہے انہوں نے ہمیں اسی روز آنے کا کہا میں اور گل رعنا مسعود صاحبہ گیارہ بجے کے قریب ان کے ہاں پہنچے اور درس کے بعد بات چیت کا سلسلہ شروع کیا۔ میں گل رعنا صاحبہ کی ممنون ہوں اس نیک کام میں ان کا تعاون شامل رہا۔

ثریا بیگم نے فوراً اس پوٹلی کو بند کیا اور سکینہ کو بتانے چل پڑیں...... سکینہ کے شک کو جیسے یقین مل گیا۔

سکینہ نے مشورہ کیا کہ آج ہی پیر صاحب کرامت کے در پر حاضری دی جائے ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے اور پریشانی مزید بڑھے۔

ثریا بیگم اپنے شوہر کے مزاج سے خوب واقف تھیں۔ جگہ جگہ پیر جمائے جعلی پیروں کے چکروں سے شیخ صاحب نے ہمیشہ اپنے پورے خاندان کو دور رکھا تھا اور وجہ یقیناً اللہ پر ایمانِ کامل ہی تھا۔ لہٰذا شیخ صاحب نے سختی سے ثریا بیگم کو اس شرک سے دور رہنے کا حکم دیا۔ گھر کا ماحول مزید الجھ گیا۔ لیکن اگلے دن ہی ثریا بیگم نے اپنے اور اپنے شوہر کے مزاج کے خلاف ایک فیصلہ کیا اور شیخ صاحب کے گھر سے نکلتے ہی فائزہ کو ساتھ لیا اور سکینہ کے گھر جا پہنچیں۔ وہاں سے ان کی منزل پیر صاحب کا آستانہ تھی۔

آستانہ پر پہنچنے پر اندھیرے میں ڈوبا ایک کمرہ جو نہایت پراسرار منظر پیش کر رہا تھا نظر آیا۔ چند عورتوں کے سوا کمرے میں کوئی اور نہ تھا۔ سکینہ نے بتایا کہ پیر صاحب دوسرے کمرے میں مسئلہ سنتے ہیں۔ اس وقت ثریا بیگم پچھتاوے اور امید کے درمیانی لمحوں کو محسوس کر رہی تھیں۔ ایک خوف ان کے رگ و پے میں سرایت کرنے لگا۔ ان کے خاندان کی سات پشتوں

نے بھی کبھی ایسے پیروں کے آستانوں پر قدم نہ رکھا تھا۔لیکن سکینہ کی کترنی کی طرح چلتی زبان کے آگے انہیں اپنا آپ بہت کم وزن محسوس ہوا۔آخر کا رثریا بیگم کا بلاوہ آیا۔وہ فائزہ کو لے کر خوفزدہ قدموں سے آگے بڑھیں اور پیر کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

کمرہ کیا تھا..... بھوتوں کا بسیرا معلوم ہوتا تھا۔ ایک پراسرار مہک نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ اچانک ایک بھاری بھرکم آواز نے ماحول میں ارتعاش پیدا کیا''لڑکی سے دور ہو جا۔خطرناک جنات کا قبضہ ہے۔اے عورت تو باہر جا۔'' آواز سنتے ہی پیر کی مکروہ شکل نے کمرے کا منظر مزید بھیانک کر دیا۔

ثریا بیگم کو محسوس ہوا کہ ان کے ہاتھ پاؤں بے جان ہوئے جا رہے ہیں۔یہی حال فائزہ کا بھی تھا۔''فوراً نکل جا'' دوبارہ حکم صادر ہوا۔ثریا بیگم لڑکھڑاتے قدموں سے باہر آ گئیں۔سکینہ نے ثریا بیگم کو پکڑا ورنہ شاید وہ گر ہی جاتیں۔''اے بہن کا ہے کو جان ہلکان کر رہی ہو۔ وہ تمہاری بٹیا کو کھا تو نہ جائیں گے۔سکینہ بے زاری سے بولیں۔''دیکھو میری بہو نے کیسے میرے لڑکے کو قابو کیا تھا۔ دو تعویذوں میں ہی کام ہو گیا اور بہو میکے سدھار گئیں۔''

سکینہ کے منہ سے یہ روح فرسا حقیقت آج ہی ثریا بیگم کے سامنے آئی تھی۔ ورنہ تو اس سے پہلے وہ سکینہ کی بہو کو ہی مجرم سمجھتی تھیں۔ثریا بیگم نہایت دکھی ہو گئیں اور ان کی بے چینی میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا۔ وہ اپنا سر تھام کر رہ گئیں یا الٰہی یہ مجھ سے کیا بھول ہو گئی۔ مجھ سے انجانے میں یہ کیا سرزد ہونے والا ہے تو مجھے بچا۔

اچانک فائزہ کی زوردار چیخ انہیں خیالات کے بھنور سے نکال لائی۔ایک غیر مرئی قوت تھی جس نے ثریا بیگم کو پیر کے کمرے میں دھکیل دیا۔ وہ پیر چند انچ کے فاصلے پر فائزہ کو گھور رہا تھا۔آن کی آن میں ثریا بیگم نے فائزہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے گھسیٹتی ہوئی باہر کی طرف بھاگیں۔ فائزہ کا حال اس وقت ایسا تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ باہر نکلتے ہی سکینہ کی آوازیں انکے کانوں سے ٹکرائیں لیکن اس وقت ثریا بیگم کو یہ آوازیں کسی کھائی سے آتی سنائی دیں۔

نہ جانے واپسی کا سفر ماں بیٹی نے کیسے طے کیا۔ احساس جرم، ندامت اور فی الحال نجات کے ملے جلے جذبات سے لدی ثریا بیگم اور فائزہ جب اپنے گھر میں داخل ہوئیں تو انہیں ایسا لگا جیسے کسی حرم میں پناہ مل گئی ہو۔خدا کا کرنا یہ ہوا کہ شیخ صاحب بھی اس وقت تک گھر نہ پہنچے تھے۔ ماں بیٹی کا کھویا ہوا اعتماد بحال ہونے لگا۔

کچھ دیر میں دروازے پر گھنٹی بجی۔ فائزہ لپک کر

باہر گئی اور دروازہ کھولا تو پڑوسن کا آٹھ سالہ لڑکا کھڑا تھا۔ ''باجی میرے بھائی نے میرے پرانے سکوں کی پوٹلی چھت پر پھینکی تھی لیکن وہ نہیں مل رہی ہوسکتا ہے آپ کے صحن میں گر گئی ہو۔ اگر آپ ڈھونڈ دیں تو اچھا ہوگا۔'' اتنی دیر میں ثریا بیگم کی نظریں فائزہ سے ٹکرائیں دونوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔ پوٹلی کی وجہ سے دل میں شک کا پھانس بھی نکل گیا۔

ثریا بیگم اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوگئیں اور ندامت کے آنسو بہا کر اپنے گناہوں کو دھونے کا سامان کرنے لگیں اور سوچنے لگیں کہ میری دو بیٹیوں کے نصیب بھی میرے رب نے کھولے تھے تو کیا وہ میری تیسری بیٹی کے معاملے میں مجھے بے یارو مددگار چھوڑ سکتا ہے، نہیں ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ عزوجل ہر چیز پر قادر ہے اس کی ذات کامل ہے۔ ضرورت تو بشر کو ہے کہ وہ شیطانی اثرات سے اپنے آپ کو بچا کر مرشدِ کامل بن جائے۔

☆☆☆

س:۔ نئی نسل کیلئے اپنے خاندان کے بارے میں مختصراً بتائیں؟

ج:۔ والد محترم ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اہلِ بیت سے منسوب ایک خاندان کے چشم و چراغ تھے جس نے پہلے ہرات کی طرف اور پھر اپنے جد امجد قطب الدین مودود چشتی کے زمانے میں ہندوستان کی طرف ہجرت کی۔ سید قطب الدین سلسلہ چشتیہ کے سب سے بڑے بزرگ تھے۔ ہمارے دادا ابا سید احمد حسن (1855ء ۔ 1920ء) پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے مگر وکالت کو زاہدانہ زندگی کے میلان نے ساتھ نہ چلنے دیا۔ اسی دور میں 25 ستمبر 1903ء کو ابا جان کی ولادت ہوئی ہمارا سلسلہ نسب نواسہ رسولؐ حضرت حسنؓ سے جاملتا ہے۔

س:۔ دہلی کی معاشرت اور تہذیب کے بارے میں کچھ بتائیں کیونکہ آپ کے ننھیال کا تعلق دہلی سے تھا؟۔

ج:۔ جی ہاں میرے ننھیال کا تعلق دہلی سے تھا۔ میرے نانا سید نصیرالدین شمسی معاشی اعتبار سے خوشحال اور سماجی حیثیت میں دہلی کے معروف اور بلند مرتبہ لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ اسی مناسبت سے میری والدہ محترمہ کیلئے دہلی کے بڑے صاحب ثروت اور عالی مرتبت خاندانوں سے رشتے آئے مگر نانا ابا کی نگاہ میں کوئی سمایا نہیں لیکن جب دادی اماں ابا جان کا رشتہ لے کر آئیں تو نانا ابا کو گویا من کی مراد مل گئی۔

دہلی کی معاشرت میں ایک خاص قسم کی تہذیب اور رکھ رکھاؤ پایا جاتا تھا میرے ننھیال کا بہت بڑا اور شاندار گھر تھا۔ ان کا رہن سہن اور لباس بہت عمدہ اور اعلیٰ پائے کا تھا۔ ساڑھیاں، پشواز، غرارے، لہنگے، چوڑی دار پاجامے انگرکھے پہنے جاتے۔ جب کبھی ہم اپنے نانا کے گھر رہنے جاتے تو ہمارے بہت ناز اٹھائے جاتے۔ ہمارے اپنے گھر کا ماحول بہت سادہ اور مختلف تھا۔ ایسے لباس پہننے کی اجازت نہ تھی خصوصا چوڑی دار پاجامہ پہننے کی بھی اجازت نہ تھی۔ اماں نے بہت عالیشان ماحول دیکھا تھا پھر بھی انہوں نے بہت صبر سے ابا جان کے ماحول میں ایڈجسٹ کیا۔ پہلے لوگ بہت سادگی پسند اور قناعت پسند ہوتے تھے۔ میری دادی اماں اسی طرح کی تھیں۔ دادی جان ہمارے ساتھ رہتی تھیں۔ والدہ بھی بہت سادگی سے گھر داری کیا کرتی تھیں۔ جب چھوٹے بہن بھائیوں کی پیدائش کا وقت ہوتا تب تب ہمیں ننھیال میں رہنے کا موقع ملتا ہم دو دو ماہ وہاں جا کر رہتے۔

س:۔ آپ کے والدین کے گھریلو ماحول میں کس کی چھاپ تھی؟

ج:۔ ہمارے گھر میں بہت سادگی تھی اور والدہ نے اس ماحول کی سادگی کو اپنا لیا تھا۔ یہ سارا کریڈٹ میری والدہ کو جاتا ہے انہوں نے کبھی کوئی مطالبہ نہ کیا تھا کہ میں اتنے بڑے گھر کی بیٹی ہوں انہوں نے بڑے صبر حوصلے اور خوش دلی سے ابا جان کا ساتھ دیا۔

س:۔ اپنے والد کی شادی کے بارے میں بتائیں؟

ج:۔ والد صحافی تھے۔ رشتہ داری بھی تھی والدہ نے اپنے بچپن میں خواب میں دیکھا کہ انہوں نے مٹی میں اپنا پاؤں رکھ کر اوپر سے مٹی تھپتھپا کر ایک گھروندا بنایا اور پاؤں باہر کھینچ کر اس گھروندے میں ہاتھ ڈالا تو ایک بڑا چمک دار ہیرا ہاتھ آیا۔ اس ہیرے پر نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ اتنے میں چاروں طرف سے لوگ دوڑتے ہوئے آئے وہ کہہ رہے تھے یہ ہیرا بہت قیمتی ہے تمہیں کہاں سے ملا ہے؟ کسی ایک نے کہا یہ بہت نایاب ہیرا ہے اسے سنبھال کر رکھنا کہیں کوئی تم سے چھین نہ لے۔ صبح انہوں نے یہ خواب اپنے والد یعنی میرے نانا جان کو سنایا انہوں نے یہ خواب کسی اور کو سنانے سے منع کیا اور دہلی کے ایک عالم سے اس کی تعبیر پوچھی انہوں نے کہا اس لڑکی کی شادی ایک بہت بڑے عالم دین سے ہوگی۔ جس کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلے گی۔

یہ خواب اماں کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ میرے نانا عالم دین کی تلاش میں تھے جب ابا جان کا رشتہ آیا تو وہ بہت خوش ہوئے ان کی مسرت کی انتہا نہ رہی اور یوں دو گھرانوں کے اتنے واضح ماحول کے فرق کے باوجود یہ رشتہ طے ہو گیا۔ اماں کو یہ خواب اس وقت یاد آیا جب ابا کو پھانسی کی سزا ہوئی۔

س:۔ آپ اپنے بچپن کے بارے میں کچھ بتائیں؟

ج:۔ میرا بچپن دارالسلام پٹھان کوٹ میں گزرا ہے۔ تقسیم کے وقت میری عمر سات برس تھی۔ اس کے بعد ہمارا ننھیال جانا نہیں ہوا اور ہم لوگ لاہور آ گئے۔ لاہور میں ہمارا قیام 5 اے ذیلدار پارک اچھرہ میں تھا۔ ہمیں 60 فیروز پور روڈ والے گورنمنٹ سکول میں داخل کروا دیا گیا۔ جب ابا جان کو قید بامشقت کی سزا ہوئی تو جیل میں انہیں چرخہ دیا گیا تھا یہ بات اخبارات میں بھی شائع ہوئی۔ میرے سکول کی ایک لڑکی مجھے چھیڑا کرتی تھی اخبار دکھا کر مجھے کہتی تیرے ابا جان نے جو کھیس بنا ہے وہ ہمیں بھی دکھا۔ میں اس کی باتوں کی وجہ سے ڈسٹرب تھی میں نے امی جان سے کہا مجھے سکول نہیں جانا۔ میری دادی جان نے کہا یہ کیوں نہیں پڑھنا چاہتی۔ پڑھنے سے انکار کیوں کر رہی ہے، یہ تو پڑھنے کی بہت شوقین ہے۔ امی کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے مجھے سمجھایا تم نے انہی کے ساتھ پڑھنا ہے وہ اگر کہتی ہے تو کہنے دو۔ تم دنیا میں بہادروں کی طرح رہو۔ سمندر بن جاؤ، پہاڑ بن جاؤ، پہاڑوں سے طوفان آ کر ٹکراتے ہی ہیں۔

سمندر اپنے اندر بہت کچھ پی لیتا ہے مگر پرسکون رہتا ہے۔اور میں نے ایسا ہی کیا۔ایک بار وہ لڑکی مجھے ملی تو کہنے لگی یاد ہے میں تمہیں چھیڑا کرتی تھی۔

دارالسلام والا گھر دیہاتی گھر تھا اس میں کافی کمرے تھے۔بجلی پانی اور آج کل کی دیگر سہولیات وہاں نہیں تھیں۔لالٹینیں جلا کرتی تھیں۔ماشکی دو پانی کی مشکیں صبح دو شام کو دے جایا کرتا۔ ہمارے گھر سے کچھ فاصلے پر مادھوپور کا ہیڈورکس تھا۔ ہم تربوزے خربوزے اور آموں کو اپنے گھر کے قریب بہتے نالے میں ٹھنڈا کر کے کھاتے تھے۔

س:۔ابتدائی تعلیم اور کالج کی تعلیم کے بارے میں بتائیں؟

ج:۔ابتدائی تعلیم 60 فیروز پور روڈ سے حاصل کی ہمارے سکول کی پرنسپل مسیحی تھیں وہ مشہور ادیبہ بانو قدسیہ کی پھوپھی تھیں۔ بانو قدسیہ بھی مسیحی تھیں شادی کے بعد مسلمان ہوئیں۔ بانو آپا سے ہماری ملاقات رہتی وہ ان دنوں کنیئرڈ کالج میں پڑھتی تھیں۔

جب 11 مئی 1953ء کو ابا جان کو پھانسی کی سزا سنا دی گئی اماں نے اس وقت بڑے صبر اور حوصلے سے کام لیا میں اس وقت نویں جماعت میں پڑھتی تھی اور میری چھوٹی بہن اسماء ساتویں جماعت میں تھی۔اماں جان نے ہمیں سکول کیلئے تیار کیا یونیفارم پہنا کر بال بنا کر سکون سے ہمیں سکول بھیج دیا گیا۔جب ہم سکول پہنچے تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارے ابا جان کو پھانسی کی سزا سنا دی گئی ہے تب تک یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل چکی تھی۔ ہماری پرنسپل نے جب ہمیں صاف ستھرا یونیفارم پہنے دیکھا تو اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ دیکھو لیڈر ایسے ہوتے ہیں اتنا بڑا واقعہ ہو گیا مگر ان کی اماں کی عظمت دیکھو کہ اتنے مشکل وقت میں بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور بچیوں کو کھلا پلا کر تیار کروا کر سکول بھیج دیا عام لوگوں میں اور لیڈروں میں یہی فرق ہوتا ہے۔

میٹرک کے بعد میں نے لاہور کالج میں داخلہ لیا میں عربی زبان میں ماسٹرز کرنا چاہتی تھی مگر ان دنوں لاہور کالج میں صرف انگریزی ادب میں ماسٹرز کروایا جاتا تھا۔ابا جان نے کہا میں تمہیں مخلوط ماحول میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ یہاں پر جو بھی ماسٹرز کروایا جا رہا ہے بس وہی کر لو لہٰذا میں نے انگریزی ادب میں ماسٹرز کیا۔ ماسٹرز کرنے کے بعد اسلامیہ کالج میں چھ ماہ تک پڑھایا مگر ایوب خان نے نوکریوں پر بین لگا دیا۔ مجھے پڑھانے کا شوق تھا۔جو یہاں پورا نہیں ہو سکتا تھا۔

س:۔آپ کی شادی کس سن میں ہوئی؟ اپنے میاں کے بارے میں کچھ بتائیں اور شادی کی رسومات اور حق مہر وغیرہ؟

ج:۔ میرے میاں کا نام سید انظر علی ہے وہ کلاس ون گزیٹڈ آفیسر تھے انیسویں گریڈ میں تھے بعد

ازاں سعودی عریبین ائیرلائنز میں رہے۔ میاں کا تعلق کپورتھلہ سے تھا ان کے والد راجہ کپورتھلہ کے سیکرٹری تھے۔ ماڈل ٹاؤن میں جو پہلے چند خاندان آ کر آباد ہوئے ان میں میرے سسرال والے تھے۔ میاں طفیل محمد صاحب نے یہ رشتہ کروایا تھا۔ ان کی ضمانت دی تھی۔

میری شادی 1967ء میں ہوئی شادی کی تقریب میں میں نے غرارہ پہنا تھا۔ گیارہ ہزار روپے حق مہر مقرر ہوا مرے میاں بہت تعاون کرنے والے بہترین انسان ثابت ہوئے انہوں نے ہر جگہ میرا ساتھ دیا۔

س:۔بچوں کے بارے میں بتائیں؟

ج: میرے دو بچے ہیں بیٹا اطہر اور بیٹی رابعہ، بیٹا بینک میں کام کرتا ہے اس نے آئی بی اے سے ایم بی اے کیا ہے اور بیٹی نے بی اے کیا ہے اس کے میاں ڈاکٹر ہیں۔ رابعہ بیٹی کے تین بچے ہیں دو بیٹیاں اور ایک بیٹا، فیضان، خدیجہ اور صبا اطہر کے تین بیٹے عبداللہ، طٰہٰ، محمد علی ہیں۔

س:۔اپنے سسرال کے بارے میں بتائیں؟

ج:۔میرے سسرال والے بہت آزاد خیال ہیں۔ دنیا دارالامتحان ہے ہمیں دنیا میں ہر ہر لمحہ امتحان درپیش رہتا ہے۔ میرے سسرال میں تمام شادیاں وتقریبات مکس گیدرنگ میں ہوتی ہیں۔ لیکن میں نے کبھی کوئی تقریب نہیں چھوڑی۔ میں نے یہ کبھی نہیں کیا کہ پردے کی خاطر میں کسی کونے میں بیٹھ جاؤں یا پیچھے ہو جاؤں۔ میں ہمیشہ برقع پہن کر سب کے بیچ بیٹھی رہتی۔ بہت سے لوگوں نے واویلا کیا مگر میں ثابت قدم رہی میں نے ہمیشہ برقع کو ایڈورٹائز کیا۔

میرے میاں ائیرپورٹ منیجر تھے۔ وہاں بہت سی سرکاری تقاریب ہوتیں جہاں میرے میاں کو میرے ساتھ دعوت نامہ دیا جاتا میں ہمیشہ ان کے ساتھ برقع پہن کر جاتی تو وہاں پر موجود لوگ میرا برقع دیکھ کر بہت جزبز ہوتے اور کہتے یہ ہماری تصویریں خراب کرواتی ہے وہ مجھ سے پوچھتے آپ کو کس نے بلایا ہے میں اپنا دعوت نامہ دکھاتی تو انہیں خاموش ہونا پڑتا۔ میں ان سے کہتی اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم ایک طرف اور باقی سب کچھ ایک طرف۔ مجھے یاد ہے ایک بار میں لندن گئی تو وہاں ایک پاکستانی نے مجھے برقع میں پھرتے دیکھ کر کہا۔ ایتھے تے لا دے، (یہاں تو اتار دو) ایک بار استنبول جانا ہوا وہاں بھی میں برقع کے ساتھ ہی رہی۔

ایک بار میں سعودی عرب جانے کیلئے سعودی ائیرلائن میں سفر کر رہی تھی انہوں نے مجھے فرسٹ کلاس میں بٹھا دیا۔ وہاں ایک وزیر کی بیٹی بیٹھی ہوئی تھی میں نے عبایہ پہن رکھا تھا ائیرہوسٹس نے مجھے عربی خاتون سمجھتے ہوئے عربی میں بات چیت کی وزیر کی بیٹی نے مجھے بغور دیکھا تو میں شلوار قمیض پہنے ہوئے تھی اس نے مجھے پہچان لیا کہ میں پاکستانی

ہوں۔ واپسی پر اتفاق سے پھر اسی عورت سے جہاز میں ملاقات ہوگئی۔ وہ تمام راستہ میرے برقع کو دیکھ کر مجھے سٹوپڈ ایڈیٹ کہتی رہی اور برقعے سے اپنی نفرت کا اظہار کرتی رہی۔ مجھے پہلی بار اس کے جملے سن کر بہت خوشی ہوئی کہ میرے ابا جان بھی برا بھلا سن کر خوش ہوتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ''یہ اللہ کی راہ کی گالیاں ہیں اور یہ انبیاء کی سنت ہیں یہ ہر کسی کو کہاں نصیب ہوتی ہیں۔''

س:۔ آپ نے کچھ عرصہ سعودی عرب میں بطور لیکچرر کام کیا وہاں کے بارے میں بتائیں؟ کس سن میں گئے کب واپس آئے؟ کیا وہاں درس بھی دیا؟

ج:۔ میرے میاں سعودیہ ائیرلائنز میں تھے ہم لوگ تیرہ سال سعودی عرب میں رہے پہلے ریاض اور بعد میں جدہ میں بطور لیکچرر کام کیا۔

س:۔ آپ کو مولانا مودودی کی صاحبزادی کے طور پر سعودی گورنمنٹ کی طرف سے کوئی خاص پذیرائی ملی یا نہیں؟

ج:۔ درس وتدریس کے دوران میں نے کسی کو یہ بات نہیں بتائی کہ میں مولانا مودودی کی بیٹی ہوں۔ جب میں پہلے پہل ریاض میں آئی تو اخون المسلمون کی خواتین نے میرا والہانہ استقبال کیا مجھے لگا کہ میں اپنے پیاروں میں آ گئی ہوں ان کی محبت میں چند دنوں میں میں نے عربی زبان سیکھ لی۔ احسن الخربی کی صاحبزادی ابلہ خالدہ حزبی وہاں باٹنی کی ہیڈ تھیں انہوں نے میری سرپرستی کی اور بہت محبت دی۔ جب میں جدہ کے کالج میں پڑھانے لگی تو میں نے کسی کو اپنے بارے میں نہیں بتایا۔ ایک دن پرنسپل کو فون آیا کہ شیخ مودودی کی بیٹی آپ کے کالج میں پڑھاتی ہیں۔ انہیں کسی قسم کی کوئی شکایت نہ ہو۔ پرنسپل نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ یہاں کام کرتی ہیں۔ پھر انہوں نے مجھے بلایا اور کہا کہ آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا کہ آپ شیخ مودودی کی بیٹی ہیں اور آپ کا نام حمیرہ مودودی ہے۔ میں نے کہا کہ میں اس بات کو ضروری نہیں سمجھتی اگر آپ کو میرے کام کے بارے میں کوئی شکایت ہو تو بتائیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ اپنے نام کے ساتھ مودودی لگایا کریں ہمارے دین میں باپ کا نام ساتھ ساتھ چلتا ہے جیسے فاطمہؓ بنت محمدؐ عائشہ بنت ابوبکرؓ وغیرہ۔

سعودی عرب میں بھی میں نے کئی جگہوں پر درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا الحمداللہ۔

س:۔ آپ انگریزی ادب کی استاد تھیں کیا انگریزی ادب نے آپ کی شخصیت کی تعمیر میں کوئی کردار ادا کیا۔

ج:۔ میں نے انگریزی ادب پڑھاتے ہوئے اپنی طالبات کی رہنمائی کرنا اپنا فرض سمجھا، ایک بار میں تھرڈ ائیر کی سٹوڈنٹس کو پڑھا رہی تھی سبق میں ایک نوجوان لڑکی کا قصہ تھا۔ جو اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ ویک اینڈ گزارنے لندن سے سوئٹزلینڈ جا رہی

ہوتی ہے اور ان دونوں کے گھر والے انہیں الوداع کہنے آتے ہیں۔ پڑھاتے پڑھاتے میں نے بہت سی لڑکیوں کے چہروں پر حسرت دیکھی جیسے وہ بھی دل میں ایسی خواہش رکھتی تھیں۔ میں نے انہیں سمجھایا یہ انگریزوں کا لائف سٹائل ہے جو کہ بہت ہی برا ہے۔ تم لوگ بہت محفوظ پناہ گاہوں میں ہو، محفوظ قلعے میں ہو۔ تمہارے پاس باپ ہے، بھائی ہے، خاوند ہے، بیٹا ہے۔ مغرب کی عورت فٹ بال کی طرح پھرتی ہے جب بوڑھی ہو جاتی ہے تو اسے اولڈ ہوم میں بھیج دیا جاتا ہے۔ یہ ہمارے باپ، بھائی، بیٹے، شوہر، ہمارے ناز ہیں۔

میں نے ان لڑکیوں کو دو پاکستانی ڈاکٹروں کا قصہ سنایا، جو آسٹریا میں مقیم تھے۔ وہ روزانہ پارک میں سیر کرنے جاتے تھے۔ پارک میں ہر روز ایک آدمی موٹر سائیکل پر ریچھ بٹھا کر لاتا، بچے ریچھ پر سواری کرتے اور اسے پیسے دیتے۔ وہ آدمی خود فوٹو گرافر تھا وہ ان بچوں کی ریچھ پر سواری کی تصویریں بناتا اور بیچتا۔ اس طرح اس کا کام چل رہا تھا۔

ایک دن دو موٹے موٹے بچوں نے ریچھ کے ساتھ جا کر تصویریں بنوائیں، بچوں نے کہا کہ ریچھ رو رہا ہے ریچھ رو رہا ہے۔

ڈاکٹروں نے سنا تو انہیں شک ہوا انہوں نے قریب جا کر دیکھا تو ریچھ واقعی رو رہا تھا۔ انہوں نے اس کے پاؤں دیکھے تو پاؤں میں جوتی عورتوں والی تھی ان کا شک درست نکلا ریچھ کی کھال میں عورت تھی جو اس آدمی کے ساتھ روز موٹر سائیکل پر بیٹھ کر آتی تھی۔ انہوں نے اس آدمی سے پوچھا یہ عورت کون ہے وہ بولا میری بیوی ہے۔ انہوں نے کہا تمہیں ڈر نہیں لگتا عورتوں کو استعمال کرتے ہو، انسانی حقوق کی تنظیمیں تمہیں پکڑ کر لے جائیں گی۔ میں نے لڑکیوں کو سمجھایا کہ اس طرح سے یہ لڑکیوں سے دوستیاں کر کے انہیں استعمال کرتے ہیں۔ معاشی فائدوں کیلئے ان کا استحصال کرتے ہیں۔

س:۔ آج کے دور کے اساتذہ اور اپنے دور کے اساتذہ کا موازنہ کریں، تو کیا محسوس کرتی ہیں؟

ج: ہر دور میں اساتذہ اچھے اور برے ہوتے ہیں۔ جن دنوں میں جدہ میں تھی میری بیٹی ایمبیسی کے سکول میں پڑھتی تھی۔ اس نے بتایا کہ کلاس کی ایک لڑکی نے کانوں میں کوئی بات کی اس طرح وہ بات ساٹھ لڑکیوں میں پاس آن ہوئی اور بات کچھ اور بن گئی اس کے بعد ان کی ٹیچر نے لڑکیوں سے کہا جس طرح بات کچھ تھی اور بن کچھ گئی اسی طرح یہ حدیثیں سب جھوٹ ہیں۔ وہ اسلامیات کی استاد ہو کر لڑکیوں کو اسلام سے برگشتہ کر رہی تھیں۔ استاد کے ہاتھ میں بہت کچھ ہوتا ہے پڑھانے والا گیتا ہاتھ میں لے کر قرآن پڑھا سکتا ہے اسی طرح قرآن پڑھانے والا قرآن ہاتھ میں لے کر قرآن سے برگشتہ کر سکتا ہے۔ شادی سے پہلے میں اسلامیہ کالج میں پڑھاتی تھی۔

جب میں پہلے روز کالج گئی تو مجھ سے پہلے سائیکالوجی کی استاد کلاس لے کر ابھی نکلی تھیں میں نے دیکھا لڑکیاں ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی ہیں میں نے پوچھا تو لڑکیوں نے کہا ابھی ابھی مس صاحبہ کہہ کر گئی ہیں بوائے فرینڈز ضرور بناؤ اس سے ہمت، جوانی اور خوبصورتی قائم رہتی ہے۔ میں نے کہا یہ بہت بری باتیں ہیں آپ لوگ اس سے بچیں۔ میں نے پرنسپل صاحبہ سے شکایت کی کہ یہاں حجامت اسلام ہو رہی ہے، یہ حمایت اسلام نہیں ہے۔ انہوں نے کہا مجھے پہلے بھی شکایت ملی ہے۔ اگلے روز اس ٹیچر نے مجھے دھمکیاں دینا شروع کر دیں کہ میں تمہیں اٹھوا دوں گی اگر کبھی میرے ہتھے چڑھ گئی تو میں تمہارا برا حال کر دوں گی۔

استاد پر تو شاگردوں کو مان ہوتا ہے۔

س:۔ بے لگام میڈیا کے اس دور میں بچوں کی تربیت کیسے کریں؟

ج:۔ آج کے دور میں ماں کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ ٹی وی گھر سے نکالنا اس کا حل نہیں ہے بچے دوسرے گھروں میں جا کر ٹی وی دیکھیں گے۔ بچوں کی تربیت کی طرف خصوصی توجہ کریں بچوں کو بار بار قرآن اور احادیث سنائی جائیں قرب قیامت کی حدیثیں پیش کی جائیں ہمارا کام ایجوکیٹ کرنا ہے اس دنیا کی ہر چیز پر لعنت ہے سوائے اللہ کی یاد کے۔ علم دین سیکھنا اور سکھانا سب سے بہتر ہے۔

رسول اللہؐ کی ایک حدیث ہے۔

جب مال غنیمت کو ذاتی دولت سمجھا جائے امانت کو لوٹ مار سمجھا جائے، زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھا جائے دین کے علاوہ دوسرے علوم پڑھے جائیں آدمی اپنی بیوی کی فرمانبرداری کرے اور ماں کی نافرمانی کرے اپنے دوست کو قریب کرے اور اپنے باپ کو دور کرے، لڑائی جھگڑے سے مسجدوں میں آوازیں بلند ہوں، قبیلے کا سردار ان کا بدترین آدمی ہو، قوم کا ذلیل ترین آدمی ان کا حاکم ہو، آدمی کی عزت اس کے شر سے ڈر سے کی جائے بعد کے لوگ پہلوں پر لعنت بھیجیں، ناچنے گانے والیاں ظاہر ہوں تو اس وقت انتظار کرو سرخ آندھیوں زلزلوں کا پتھر برسنے کا، زمین دھنسنے کا، صورتیں بدل جانے کا، پے در پے یہ نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ جیسے ہار کا دھاگہ ٹوٹ جائے تو موتی یکے بعد دیگرے گرتے ہیں۔ ایسی احادیث بچوں کو سنائیں۔

س:۔ کیا آج کی پڑھی لکھی ماں بہتر طور پر بچوں کی تربیت کر رہی ہے یا کل کی مائیں بہتر تھیں؟

ج:۔ آج کی پڑھی لکھی ماں سے کل کی مائیں بہتر تھیں۔

س:۔ گھریلو عورت کیسے گھر کے اندر رہ کر معاشرے کی فعال رکن بن سکتی ہے؟

ج:۔ عورت کا سارا کام گھر کے اندر رہ کر ہو سکتا ہے گھر مورچہ ہوتا ہے۔ آپؐ سے حضرت اسما بنت

# میری لائبریری سے

ابوبکرؓ نے پوچھا مرد، جمعہ، جنازہ جہاد میں شریک ہوتے ہیں کیا ہمارے لیے بھی درجات ہیں آپؐ نے فرمایا اے اسماءؓ جاؤ عورتوں سے کہہ دو تم میں سے جو گھر میں بیٹھے گی مجاہدوں سا اجر پائے گی۔ جہاں مردوں کو پتا ہو کہ بیوی گھر میں ان کی عزت کی حفاظت کر رہی ہے وہی تو جہاد ہے۔

س:۔ کیا آپ سمجھتی ہیں آپ نے خوش اور مطمئن زندگی گزاری اور اپنے فرائض بحسن وخوبی انجام دیئے یا ابھی کچھ کرنا باقی ہے جو آپ ابھی تک نہ کرسکیں؟

ج:۔ بلاشبہ میں نے خوش اور مطمئن زندگی گزاری ہے کوئی ایسا کام نہیں ہے جو سوچتی ہوں کہ میں نے ابھی کرنا ہے۔

س:۔ اپنی زندگی کا ناقابلِ فراموش واقعہ؟

ج:۔ ایک واقعہ ایسا ہے جو میں کبھی نہ بھول سکوں گی ایک بار میں میاں اور بچوں کے ساتھ لندن گئی لندن میں کسی عزیز کے گھر اترے۔ میری بچی بیمار تھی۔ میرے میاں نے کہا تم گھر کے اندر جاؤ میں بچی کی دوائی لے کر آتا ہوں۔ جب صاحب خانہ نے دروازہ کھولا تو مجھے برقع میں دیکھ کر وہ غصے سے آگ بگولہ ہو گئے انہوں نے وہیں دروازے پر کھڑے کھڑے میری بہت بے عزتی کی میں نے ان سے کہا آپ جانتے ہیں کہ کون ہوں آپ کس سے بات کر رہے ہیں۔ میں ایک فون کروں تو بے شمار لوگ میرے استقبال کیلئے آ جائینگے میں نے اسی وقت اپنی ایک سہیلی کو فون کیا جو قریب ہی رہتی تھی وہ فوراً آ گئی اسے دیکھ کر صاحب خانہ کا مزاج کچھ ٹھنڈا ہوا۔ اور پھر میرے میاں بھی آ گئے، میں نے برقع کی خاطر اپنی زندگی میں بہت ذلت اٹھائی ہے۔ اللہ سے امید ہے کہ برقع آخرت میں میرے لیے حجت بنے گا۔ انشاءاللہ۔

س:۔ آپ زندگی میں کس کے کردار سے متاثر ہیں؟

ج:۔ میں ابا جان کے کردار سے بہت متاثر ہوں میری امی کی تربیت بھی ابا جان نے ہی کی تھی۔

س:۔ زندگی میں انسان کو کون سی اقدار اپنانی چاہئیں کیا یہ اقدار زندگی گزارنے کیلئے ضروری ہیں اور کیوں؟

ج:۔ انسان کو وہی اقدار اپنانی چاہئیں جن پر حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ چلتی رہیں یہی

اقدار کامیابی کی ضمانت ہیں۔

س:۔آج کی نوجوان لڑکیوں کیلئے پیغام؟

ج:۔ قرآن و حدیث سے تعلق جوڑیں ہر معاملے میں قرآن وحدیث سے رہنمائی لیں۔

س:۔ وہ کون سی چیزیں ہیں جو کسی سوسائٹی اور قوم کی تعمیر وترقی میں ضروری ہوتی ہیں؟

ج:۔صبر، استقلال، برداشت اور عاجزی

س:۔ چند مسلم ممالک میں جو تحریک اسلامی کی بیداری کی لہر اٹھی ہے وہ تمام مسلمانوں کیلئے خوش آئند ہے جس میں مصر، تیونس، ترکی پیش پیش ہیں کیا آپ پاکستان میں ایسا کوئی منظر نامہ دیکھتی ہیں؟

ج:۔ جی ہاں پاکستان میں ایسے لوگ موجود ہیں اور انہی کی وجہ سے اسلامی انقلاب ضرور آئے گا۔ انشاءاللہ

س:۔ہمیں آج کی سیاسی پارٹیوں جیسے ن لیگ اور عمران خان کے منشور میں نظریہ پاکستان کی جھلک نظر آتی ہے آپ کے خیال میں یہ لوگ اسلامی انقلاب لا سکتے ہیں یا ملک کیلئے کچھ کریں گے؟ کیا یہ دہشتگردی اور ڈرون اور بجلی کے مسائل حل کر سکیں گے؟

ج:۔ ن لیگ سے بہت کم امید ہے۔عمران خان ڈرون نہیں رکوا سکتے، امریکن ایڈ پر چلنے والے کو اپنی کسی چیز پر اختیار نہیں ہوتا۔کالا باغ ڈیم بننے سے ہی بجلی کا مسئلہ حل ہوگا، سب لوگ اس کا نام لیتے ہوئے ڈرتے ہیں۔

س:۔آپ کے روزمرہ کے معمولات؟

ج:۔ پانچ وقت کی نماز اور پڑھنا لکھنا، میل ملاقات کی عمر نہیں رہی۔ ہفتے کے روز دس سے بارہ بجے تک میرے گھر میں درس قران ہوتا ہے۔میاں پانچ سال سے فالج کے مرض میں مبتلا ہیں اللہ جس حال میں بھی رکھے خوش رہنا چاہیے۔

س:۔اپنی پسندیدہ کتاب کا نام بتائیں؟

ج:۔محمد اسد کی تصنیف،''دی روڈ ٹو مکہ''

س:۔ پسندیدہ رنگ کھانے اور لباس کے بارے میں بتائیں؟

ج:۔سفید رنگ بہت پسند ہے،لباس میں شلوار قمیض پہنتی ہوں، ساڑھی نہیں پہنتی ساڑھی پہن کر ایسا لگتا ہے جیسے میں کوئی مہمان ہوں، کھانے میں سادہ خوراک پسند ہے۔

س:۔پسندیدہ شعر

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

بہت بہت شکریہ

☆☆☆

نام کتاب.....تزکیۂ نفس

مصنف.....ڈاکٹر گوھر مشتاق

پبلشر.....مکتبہ خواتین میگزین منصورہ۔لاہور

جی قارئین! السلام علیکم ورحمتہ اللہ،

ماہنامہ بتول پڑھنے والوں کے لئے تحقیق وتصنیف کے میدان میں جناب ڈاکٹر گوھر مشتاق صاحب کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ان کی تحریر کا خاص وصف موجودہ حالات کو مدنظر رکھ کر کسی بھی موضوع پر تحقیق کرنا ہے۔ان کی ریسرچ کسی قسم کی کنفیوژن سے پاک ہوتی ہے۔ انداز تحریر سادہ بلکہ دلچسپ ہے۔ انہوں نے ان موضوعات کو بھی سائنس بمقابلہ مذہب Touch کیا ہے

جن کا ہماشما تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مجھے یاد ہے جب میں نے ان کی کتاب ''معرکہ روحِ بدن'' (ادارہ بتول) پہلی دفعہ پڑھی تو کئی ماہ تک میرے دروس اور گفتگو کا موضوع اسی کتاب سے ملنے والا مواد رہا۔ پھر انہی کی ایک اور کتاب ''ایک آنکھ والا دجال'' (ادارہ بتول) تو اپنے موضوع پر بہت منفرد کتاب تھی جسے میں نے حلقہ احباب میں کارِثواب سمجھ کر تقسیم کیا۔ اس کے بعد شاید ہی کوئی ایسا موضوع ہو جس پر ڈاکٹر صاحب کی تصنیف نہ ہو۔ خدا نے انہیں لکھنے کا ملکہ عطا کیا ہے وہ جس موضوع پر لکھتے ہیں حق ادا کر دیتے ہیں۔ پچھلے رمضان میں ان کی کتاب ''تزکیہ نفس'' پڑھنے کے لئے لی تو اپنے روزمرّہ کے حالات وواقعات کی روشنی میں تزکیہ نفس کی ضرورت واہمیت پر جامع کتاب محسوس ہوئی۔ بلاشبہ یہ ایسی کتاب ہے کہ شروع کر کے ختم کئے بغیر نہیں چھوڑی جاسکتی۔ ڈاکٹر صاحب کی تصنیف ''پردہ، عقلمند خواتین کا انتخاب'' بھی اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے قلم اور عمل کو شرف قبولیت بخشیں آمین۔

آج کی کتاب کا تعارف تو اوپر کی سطور میں ہو چکا ہے۔ کتاب کے ابتدائی صفحات میں تزکیہ نفس کا مفہوم قرآن واحادیث کی روشنی میں دیا گیا ہے جس کا لب لباب یہ ہے۔

''قرآن کے مطابق تزکیہ اختیار کرنے میں خود انسان کی اپنی بھلائی اور خود اس کا ذاتی مفاد ہی مضمر ہوتا ہے اس تزکیہ کے عمل (Purification process) سے گزر کر ہی وہ جنت کی ابدی اور لازوال زندگی حاصل کرسکتا ہے کیونکہ جنت پاک دل (Pure) لوگوں کے لئے ہی ہے۔''

قارئین! ڈاکٹر صاحب کا کمال یہ ہے وہ ہر بات کی تصدیق کے لئے کسی ماہر نفسیات یا سائنسدان کی مہر لگاتے ہیں تزکیہ نفس کے عمل کے لئے ماہر نفسیات کارل ینگ فرماتے ہیں۔

''سائنس پلوٹونیم کو بدل سکتی ہے لیکن انسان کے دل میں موجود برائی کو نہیں بدل سکتی۔''

حکیم لقمان اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے واقعات کتاب کی دلچسپی میں اضافہ کرتے ہیں۔

تزکیے کی اہمیت؟: جو دل پاک صاف ہوتا ہے اسے قلب سلیم کہا جاتا ہے۔ کتاب میں قلب سلیم کی علامات بیان کی گئی ہیں پھر اس کے بعد دلوں کی اقسام، مومن کا دل، کافر کا دل، منافق کا دل کی تفصیل دی گئی ہے۔

کتاب کے اگلے صفحات میں تزکیہ نفس کا مختلف قرآنی آیات اور سورتوں کے حوالے سے مفصل ذکر پڑھنے کے قابل ہے۔

صفحہ نمبر 23 پر امام غزالیؒ کی خوب صورت بات نقل کی گئی ہے۔ ''دل کا مقصد اپنے خالق کی یاد اور اس کی رضا کا حصول ہے اگر دل یہ کام نہیں کر پا رہا تو اس کا مطلب ہے دل صحیح کام نہیں کر رہا۔''

صوفی ابن عطا سکندری کے مطابق نیکی کا عمل چھوٹنے پر طبیعت پریشان نہ ہو تو اس کا مطلب ہے ہمارا دل مر چکا ہے۔(حقیقتاً ایسا ہی ہے۔آج من حیث القوم ہم مردہ دل لوگ ہیں۔ق۔ر)

ڈاکٹر صاحب کے بقول بیماریاں دو طرح کی ہیں۔

ا۔شہبات کی بیماریاں۔

۲۔شہوات کی بیماریاں۔

ان دونوں قسم کی بیماریوں کا جائزہ اس پر ختم ہوتا ہے۔''دل کی روحانی بیماریاں جسمانی بیماریوں سے کہیں زیادہ خطرناک ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ دل کی بیماریوں کی زد میں بندے کے مذہب اور دین پر پڑتی ہے جس کی وجہ سے اس کی آخرت برباد ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے جبکہ جسمانی بیماریاں صرف بندے کے جسم کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔جسمانی بیماریوں کا اجر ہے۔یہی نہیں ان بیماریوں کی وجہ سے اللہ کی یاد میں بندہ پناہ ڈھونڈتا ہے روحانی بیماریوں کا معاملہ مختلف ہے یہ پوشیدہ ہوتی ہیں۔ان کا اپنے حواس سے جائزہ لینا نسبتاً مشکل کام ہے اس لئے علاج کی طرف لوگ کم متوجہ ہوتے ہیں!!

قارئین! روحانی بیماریوں کا ذکر کر کے علامات اور علاج بتا کر ڈاکٹر موصوف نے سب پر احسان کیا ہے۔

پہلی بیماری وھن ہے۔دہن کا تفصیلی تعارف بمعہ علامات وامثال ایک دفعہ تو دل کو ہلا دیتا ہے، ملاحظہ کریں۔

آج مسلمان اپنے زوال کی وجہ غیر مسلموں او رمنافق حکمرانوں کو ٹھہراتے ہیں حالانکہ یہ مسئلے کا صرف ایک پہلو ہے ہمیں بھولنا نہیں چاہیے کہ دنیا کو اللہ کنٹرول کر رہا ہے اور اگر اس نے مسلمانوں پر ظالم حکمرانوں اور غیر مسلم اقوام کو مسلط کیا ہے تو یہ ضرور کسی بات کی سزا ہے۔مسلمانوں نے جہاد چھوڑ کر دنیا جمع کرنا زندگی کا مقصد بنالیا ہے اور زندگی سے محبت کا لازمی نتیجہ موت سے کراہت ہے۔

مادیت پرستی کیا ہے، مادیت پرستی نے زندگی کی اقدار اور معیار کو کیسے بدلا۔ڈاکٹر صاحب نے مختلف علمائے دین سکالرز کے حوالے سے یہ بات سمجھادی ہے۔

تزکیہ کی راہ میں جو آفات ہیں ڈاکٹر صاحب نے اس میں سرفہرست زبان کا غلط استعمال بتایا ہے اور اس قدر دلائل اور معلومات کے ساتھ کہ سو فیصد اقرار کے بغیر چارہ نہیں۔

زبان کی بے شمار آفات ہیں غیبت، چغل خوری، فحش گفتگو، منافقانہ گفتگو، جھگڑنا، جھوٹ، مذاق اڑانا اور شیخیاں مارنا شامل ہے۔احادیث کی روشنی میں ''بے فائدہ گفتگو'' بھی آفات للسان میں سے ہے۔

کچھ اقتباسات غور وفکر کے لئے: حدیث کے مطابق جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے تمام اعضاء اس کی زبان سے التجا کرتے ہیں اللہ سے ڈر ہم تیرے ساتھ ہیں اگر تو سیدھی ہوگی تو ہم بھی سیدھے ہوں گے اگر تو

ٹیڑھی ہوگی تو ہم بھی ٹیڑھے ہوجائیں گے۔بعض لوگ گفتگو کے بہاؤ میں لوگوں کو ہنسانے اور محفل کا بندہ (Center of attention) بننے کے لئے جھوٹی بات کہہ دیتے ہیں حالانکہ جھوٹ جھوٹ ہے۔ہلاکت ہے اس کے لئے جولوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹی بات کرے۔ ڈاکٹر صاحب کی ریسرچ کے مطابق ٹی وی ،فلم اور سٹیج کے مزاحیہ کردار کرنے والے مسخروں کی زندگیاں آخر میں عبرت ناک ہوتی ہیں اور بعض تو خودکشی کر لیتے ہیں۔کسی شخص کے اسلام کی خوب صورتی ان سب باتوں کو چھوڑ دینے میں ہے جن کا کوئی فائدہ نہ ہو۔

خاندانی سیاست ہو یا ملکی سیاست بیکار وقت کا ضیاع۔ایک دلچسپ بات یہ سامنے آتی ہے کہ دماغ کو خون پہنچانے کی ذمہ دار رگ گردن (Carotid Artery) ہے اس کی بدولت ہمارے دماغ میں شعور ہوتا ہے۔اللہ ہمارے دماغ سے شعور سے بھی قریب ہے۔زبان کو خون پہنچانے کی ذمہ داری بھی یہی رگ گردن ہے۔ہماری زبان سے نکلا ہر لفظ ریکارڈ ہورہا ہے۔ ہمارے کیمرے، ویڈیوز خراب ہوسکتی ہیں۔کراماً کاتبین کی نہیں۔وہ تو لفظوں کے علاوہ دل میں پوشیدہ نیت(Intention) کو بھی ریکارڈ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اسی لئے ''جو زبان اور شرمگاہ کی ضمانت دے، اسے میں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔'' کی بشارت دی گئی ہے۔

ہر اچھے ڈاکٹر کی طرح ڈاکٹر گوھر مشتاق صاحب نے بھی زبان کے محتاط استعمال کے طریقے بھی بتائے ہیں جو کتاب میں پڑھیں تو بہتر ہے۔ ڈراوے کے طور پر ڈاکٹر صاحب نے زیادہ گفتگو کے نقصانات بھی تحریر کیے ہیں۔

غیبت ایسی بیماری ہے جو گناہوں میں زنا سے بدتر سمجھی گئی ہے۔اس کتاب میں غیبت کی تعریف اس کی اقسام ''سائنسی زبان'' میں پیش کی گئی ہیں۔یعنی متحرک غیبت، تنہا غیبت، دوہری غیبت وغیرہ(اگر ان کی تفصیل یہاں لکھ دی تو کتاب کون پڑھے گا؟)

لکھتے ہیں:کبھی آپ نے غیبت کے حوالے سے ''ہومیو پیتھک غیبت'' کا نام پڑھا ہے؟نہیں؟ میں نے بھی پہلی دفعہ اس کتاب میں پڑھا ہے۔آپ بھی ضرور پڑھیں۔

امام بخاری کا یہ قول'' میں امید کرتا ہوں کہ جب میں قیامت کے دن اللہ سے ملوں گا تو میرے حساب میں کسی کی غیبت شامل نہیں ہوگی۔ کے علاوہ امام عبداللہ مبارک کے غیبت سے بچنے کے طریقے شامل ہیں۔

تزکیہ نفس کے حصول میں زبان کے علاوہ دوسرا اہم کردار''نگاہ'' کا ہے۔نظربازی کس طرح آنکھ کے زنا میں بدلتی ہے۔ ٹی وی دیکھتے ہوئے، شادیوں میں، تقریبات میں نامحرموں کی شکلیں ایک دوسرے سے ملانا اور اس نظری بدکاری میں میڈیا کا شیطانی رول بھی شامل ہے۔

مختلف علماء کے فتاویٰ بھی کتاب میں موجود ہیں جو

# آیئے اصلی روزہ رکھیں!

نیٹ پر چٹینگ یا سکائپ پر گفتگو کو ''تنہا نامحرم سے ملاقات'' قرار دیتے ہیں۔ نگاہ کی حفاظت کے لیے حدیثیں اور دلچسپ واقعات بھی موضوع کا حق ادا کرتے ہیں۔

تزکیہ نفس کے حصول میں غصہ بھی بڑی رکاوٹ ہے۔قارئین غصہ کی تعریف ملاحظہ ہو۔

''جب ہم آگ کی طبعی (Physical) خصوصیات پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ آگ اپنی فطرت میں بے ہنگم ہوتی ہے ، بڑی آسانی سے کنٹرول سے باہر ہوجاتی ہے۔آگ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اوپر کی طرف اٹھتی ہے جبکہ خاک کی صفت نیچے کی طرف جھکنے کی ہے، چنانچہ جب کوئی غصے میں آئے تو شیطان اس کی انا (EGo) کو بھڑکا کر غصے کا ایندھن بنا دیتا ہے۔حدیث مبارکہ ہے۔

''غصے سے ہوشیار رہو یہ بنی آدم کے دل پر جلتے ہوئے کوئلے کی مانند ہے۔'' شیطان انسانوں پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے غصے کا دروازہ استعمال کرتا ہے۔غصے کی حالت میں جلد بازی سے احمقانہ فیصلہ کرواتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

قارئین! یہاں تک پہنچ کر ایک لمحہ کے لئے سوچئے جسمانی بیماری کی علامتیں کتنی اہمیت رکھتی ہیں جبکہ روحانی بیماریوں کا علم ہی نہ ہو تو علامتیں کون ڈھونڈے۔

آگے چلیں تو حسد بھی تزکیہ نفس کے حصول میں بڑا دشمن ہے۔ڈاکٹر صاحب نے اس بیماری کا پتہ چلانے اور اسے نقصانات پر ایک سروے بھی دیا ہے۔غصہ کہاں آئے تو انسان کے لئے فائدہ مند ہے جبکہ وہاں انسان ''ٹھنڈا'' ہوجاتا ہے اور گھاٹے کا سودا کرتا ہے یہ تحقیق پڑھنے کی چیز ہے۔

اسلام نے بہت سے نظریات کو بدلا جن میں سے ایک یہ ہے کہ ''اصل طاقتور وہ ہے جو اپنے غصے کو قابو کر سکے۔''

اس حدیث کی روشنی میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حوالے سے ایسا واقعہ درج ہے کہ آنکھیں بھیگے بغیر نہیں رہتیں۔پھر دوسرا واقعہ امام حرمین عبدالرحمٰن سدیس کا جن کی شرارت پر ماں نے شدت کے غصے پر قابو پا کے جو معافی نامہ دیا وہ ''جامیں نے تجھے معاف کیا اللہ تجھے کعبہ کا امام بنائے۔'' بھی ایمان افروز ہے۔ جب غصہ سر چڑھ جائے تو کیا کریں؟ ڈاکٹر صاحب آپ کی مدد ان ٹوٹکوں سے کرتے ہیں (پوری تفصیل کتاب میں ہے)

☆خاموشی

☆غصے کی حالت میں وضوکرنا(جسم کا درجہ حرارت نارمل ہوجاتا ہے)

☆غصے کی حالت میں لیٹ جانا یا بیٹھ جانا۔(جسمانی ہیت سے کس طرح غصہ کنٹرول ہوتا ہے، تجربہ کرکے دیکھ لیں)

کتاب میں آخر میں مزید روحانی بیماریاں (قبر کے سانپ بچھو)

حسد(بندے کے سینے میں ایمان اور حسد جمع نہیں ہوسکتے۔حدیث مبارکہ)حاسدوں کی مثالیں۔ بابیل قابیل کا واقعہ، یوسفؑ کے بھائیوں کا حسد۔قریش مکہ کا آپؐ سے حسد۔

آپ سب جانتے ہیں کہ حسد کا دوسرا نام''نظرلگنا'' ہے جس کے برحق ہونے کے لئے ڈاکٹر صاحب ہیلمٹ شوئک کے اقوال زریں کی روشنی میں دلائل دیتے ہیں۔

حسد کے بعد تکبر، متکبرانہ افراد اور تکبر کا علاج کئی صفحات میں درج ہے۔

تکبر کے بعد اگلی بیماری کنجوسی ہے۔ کنجوسی کی تعریف قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی تفصیلات بہت معلومات فراہم کرتی ہیں۔

کتاب کے اختتام پر حرام کی کمائی اور دجالی دور میں حرام کمائی کی جدید شکلیں ضرور علم میں ہونی چاہئیں۔ حرام کی وہ پندرہ شکلیں جن کو عوام الناس حرام سمجھتے ہی نہیں۔کون کون سی ہیں؟اس کے لیے صفحات کا دامن تنگ ہے البتہ آپ اپنی جیب کو کھلا رکھیں تو کتاب حاضر ہے۔مزید بیماریاں، ریاکاری: ناشکری بھی بہت آسان انداز میں درج کی گئی ہیں۔

کتاب کے اختتامی صفحات تزکیہ کے عملی حصول کے طریقے کتاب کے مقصد کو بہت حد تک پورا کرتے ہیں۔نماز تزکیہ کے حصول میں کیسے معاون ثابت ہوسکتی ہے۔نماز کی مشینی کیفیت کیسی ہونی چاہیے۔نماز میں خشوع خضوع کیسے پیدا کیا جائے۔صدقہ خیرات کا نفس کو پاک کرنے میں کیا کردار ہے۔انفاق فی سبیل اللہ کس طرح سے ہرکام کو ریموٹ کنٹرول کی طرح صحیح کرتا ہے یہ بتانا اس وقت ناممکن ہے۔ ہاں جسے اپنی روحانی قوت کو بڑھانا ہے اور اس کی بیماریوں کا پتہ چلا کر اس کا علاج بھی کرنا ہے اور اسی مختصر زندگی میں کرنا ہے اس کے لئے کتاب پر ہر لحاظ سے مفید ومعاون ہے۔

اگلے ماہ تک اجازت دیجیے۔فی امان اللہ

☆☆☆

قلت الطعام، قلت المنام، قلت الکلام۔

روزے کے یہ تین آداب بتائے گئے ہیں جن پر تمام فقہا متفق ہیں، ان کو روزے کے مقاصد بھی کہا جا سکتا ہے۔ یعنی ''کم کھانا، کم سونا اور کم گفتگو کرنا۔'' اب ہم اپنے روزوں کی کیفیت کا جائزہ ان تین حوالوں سے لے سکتے ہیں کہ شارع کا مقصد محض 30 دن کی ایک مشق نہیں بلکہ حقیقت ہمارا تزکیہ ہے اور تزکیہ کی صورت گری ایک ''کامیاب شخصیت'' کے عناصر میں یہ شامل ہے کہ وہ بہت کھانے والا، سونے والا یا گفتگو کرنے والا نہ ہو۔ ہم روز مرّہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ جن لوگوں میں یہ تین عیوب یا ان میں سے کوئی ایک عیب پایا جاتا ہو، سماج میں اس کا کیا مقام ہوتا ہے اور ہمارے دل میں

اس کا کیا مقام ہوتا ہے؟ ان میں سے ایک ایک نکتہ پر ہم اپنی عملی زندگی سے مثالیں لیں گے کہ ہم رمضان المبارک میں کتنا پورا اترتے ہیں شارع کے مقاصد پر۔

**کم کھانا:** ہمارے معاشرے کا کوسا ایسا گھرانہ ہے جہاں رمضان میں بجٹ کم ازکم دوگنا نہیں ہوجاتا عام مہینوں سے؟ بلکہ مجھے یاد ہے کہ ابا جی مرحوم شعبان کے اوائل سے پریشان ہوجاتے کہ رمضان کے اضافی اخراجات کے لئے اتنا بجٹ فراہم کرنا ہے؟ اور یہ فکر مندی متوسط طبقے کے 100 فیصد گھروں میں پائی جاتی ہے کہ رمضان کے اضافی اخراجات کو کیونکر پورا کیا جائے؟ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان میں سے کتنے اخراجات ناگزیر ہیں اور کتنے ہم نے خود ناگزیز بنا لئے ہیں؟ رمضان جو مقصد لے کر آیا ہے وہ یہ کہ یہ جو زیست برائے خوردن بن کر رہ گئی ہے ذرا اس لذت کام ودہن کی دنیا سے باہر آئیں۔ قدرت نے کچھ عظیم مقاصد کے لئے دنیا میں بھیجا تھا یہ پیٹ کا بندہ بن کر ہم نے صرفِ نظر کیا ان مقاصد سے۔ لہٰذا ایک ضرب اس خواہش پر لگائی جائے جو زبان سے پیٹ تک جاتی ہے۔ جسمانی خواہشوں پر ضربیں لگیں گی تو روح بیدار ہوگی اور معرفت کی منزلیں طے ہونگی۔ یہ حیوانی خواہش پوری کرتے کرتے تو حیوانی اوصاف پیدا ہوں گے نا! اب شارع کی اس حکمت سے قطع نظر ہم تو رمضان کو ''ماہِ لذت کام ودھن'' بنا لیتے ہیں۔ ماہ شعبان سے ٹی وی کے ہر چینل پر سحر وافطار کی خصوصی ڈشیں سکھائی جاتی ہیں۔ رمضان کے خصوصی پیکیج جو مختلف ریسٹورنٹ پیش کرتے ہیں۔ جن میں سحر وافطار کا کم ازکم پیکیج 1000 روپے سے زائد کا ہوتا ہے۔ جس میں غذائیت سے بھرپور افطار وسحر کے نت نئے لوازمات ہوتے ہیں۔ کتنے اشتہارات ٹی وی کی زینت بنتے ہیں کہ رمضان میں اپنے دسترخوان پر یہ لوازمات ضرور رکھیں۔ کولا مشروبات کی قیمتیں خصوصی طور پر کم کردی جاتی ہیں۔ نت نئے مصالحہ جات پر خصوصی ڈسکاؤنٹ پیکیج ہوتے ہیں کہ رمضان بہرصورت ''بھرپور'' گزرے۔ افطار پر دسترخوان پر جو لوازمات ہوتے ہیں انہیں دیکھ کر نہیں لگتا کہ ہم نے 14 گھنٹے کا روزہ گزارا ہے، لگتا ہے کہ 14 دن ہم نے بھوک برداشت کی ہے جس کا صلہ یہ ہے کہ انواع واقسام کی ہر دستیاب نعمت دسترخوان کی زینت ہے اور کھاتے کھاتے طبیعت کے سیر ہوتے ہوتے نماز مغرب بالکل آخری گھڑیوں میں ادا کی جاتی ہے۔ اس ''اپنے پن'' کے ساتھ کہ اللہ میاں کو بھی معلوم ہے دن بھر کے بھوکے تھے کچھ تو وقت کی رعایت ہوتی ہوگی۔ نمازِ مغرب کی ادائیگی میں دوران رمضان المبارک کھانے پینے اور کولڈ ڈرنکس کے ساتھ معدہ جو حلق تک بھر گیا تھا نمازِ مغرب کی ادائیگی سے کچھ بوجھل پن ختم ہوا تو چائے کا دور۔ اور پھر افطار کے باقی لوازمات جن کو یہ کہہ کر پس انداز کیا گیا تھا کہ چائے کے ساتھ لیں گے۔ ویسے ہی بچی ہوئی افطاری ضائع ہو یہ گناہ ہے۔ اور گناہ سے رمضان میں بہرحال

# ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں.....

بچنا ہے کیونکہ ماسیاں تو بچی ہوئی افطاری اور سحری ہرگز نہیں لیتیں اب۔ کیونکہ ہر گھر سے اتنی افراط سے انہیں پکوڑے، چھولے اور سموسے ملتے ہیں کہ ان کی طبیعت سیر ہو چکی ہوتی ہے ان لوازمات سے۔

اب آپ ہی بتایئے کہ نمازِ تراویح کی ادائیگی کتنی بوجھل۔ تراویح جو حسن ہے روزے کا، ہم پہ طبیعت کے بوجھل پن کے باعث کتنی شاق گزرتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ بچپن میں رمضان سے قبل ہاضمے کے خاص حکیمی چورن اور گولیاں منگوائی جاتی تھیں گھر میں کہ اہل خانہ کا پیٹ اکثر ''بھوک'' کے باعث خراب ہو جاتا ہے۔ اور نماز تراویح کھٹی مٹھی ڈکاروں کے درمیان نیند کے شدید غلبے میں جوں توں ادا کی اور گھر پہنچے تو پھر کھانے کا دستر خوان منتظر۔ اور دال چاول، کھچڑی، سبزی کی بھجیا تو بننے سے رہی رمضان میں، دن بھر کی ''بھوک'' کے بعد یہ کھانا۔ لہٰذا دَم کا قیمہ، کوفتے، پلاؤ، شاہی کباب ٹائپ ہلکی پھلکی کوئی ایک ڈش بنالی جاتی ہے رات کے کھانے میں، جو سحری میں بھی کام آجاتی ہے۔ ہاں سحری کے بعد کیونکہ پورا دن ''بھوک'' برداشت کرنا ہے لہٰذا یہ ''بھوک'' کا خوف خاتونِ خانہ سے بہت سے اضافی لوازمات تیار کراتا ہے جس میں لسّی، پراٹھے، ملک شیک وغیرہ شامل ہوتا ہے۔

کبھی سوچتی ہوں کہ اس ''بھوک'' کے ''خوف'' نے ہمیں کتنا کمزور کر دیا ہے۔ کہیں کا نہ چھوڑا۔ پتھروں کے دور میں جانے کے ''خوف'' سے ہم آج تک ''ڈرونز'' کی ذلت برداشت کر رہے ہیں کہ اگر امریکہ نے ڈالر روک لئے تو ہم بھوکے مر جاتے۔ جبکہ تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ پیٹ بھرے لوگوں نے دنیا میں کم ہی کوئی کارنامہ انجام دیا ہے۔ اگر بھوک اتنا ہی بڑا خوف ہوتی تو اللہ کے نبیؐ کیوں دعا کرتے کہ ''ایک دن کھانے کو دے ایک دن بھوکا رکھ تا کہ تیری نعمتوں کا شکر ادا کر سکوں۔'' وہ جن کے پاس سوائے دودھ اور کھجور کے کچھ دستیاب نہ تھا سحر و افطار کے لئے انہوں نے بڑے بڑے غزوات میں باطل کے پرخچے اڑا دیئے۔ روزے کی حالت میں میدان جنگ میں کودے، غزوات میں حصہ لیا اور متشرقین آج بھی دانتوں میں انگلیاں دبائے حیران ہیں کہ ''کیا تھا اس مکہ کے یتیم کے پاس کہ محض 84 برس میں شرق و غرب میں اسلام کا پرچم لہرا دیا۔ یقیناً جو چیز نہ تھی ان کے پاس وہ ''بھوک کا خوف'' تھا۔ سو یہ 30 دن کا کورس ہمیں اسی بھوک کے خوف سے نجات دلانے کے لئے ہے کہ

پیٹ کی پوجا اور خوشحالی اور دنیاوی نعمتوں کا حصول جن کا مقصد زندگی قرار پاتا ہے وہ زمین پر چلنے والے چوپایوں سے قریب تر کوئی شے ہوتے ہیں۔ معیار انسانیت اس سے بلند تر چیز ہے روزہ ہمیں جس کی مشق کراتا ہے۔

**کم سونا:** یہ عمل بھی اسلام کی نظر میں پسندیدہ ہے کہ لمبی تان کر کوئی غافل ہی سوسکتا ہے۔ اللہ کے نبیؐ کی نیند کے بارے میں جو کچھ سیرت مطہرہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے وہ یہی کہ آپ رات کو چونک چونک کر بیدار ہوتے، ذکر کرتے، اللہ کی نشانیوں پر غور کرتے، نماز ادا کرتے اور گھر والوں کو بھی پچھلے پہر بیدار کرتے، اور جب آپ کو منصب نبوت عطا کیا گیا تب ہی ''اوڑھ لپیٹ کر سونے والے'' کے پیارے انداز تخاطب کے بعد کہا گیا کہ اب کھڑے ہو جاؤ یعنی جنہیں دنیا میں اسلام کو غالب کرنا ہو وہ کبھی غافلوں کی طرح لمبی تان کر نہیں سویا کرتے۔ ان کا خراٹوں سے کیا کام!

اور روزہ ہماری اس نیند کی خواہش پر ضرب لگاتا ہے کہ رات کو پیٹ بھرنے کے بعد اعصاب آرام مانگ رہے ہیں نیند کا غلبہ ہے تو کھڑے رہو۔ صبح کو نیند کا غلبہ ہے لیکن طلوع فجر سے پہلے نہ صرف اٹھنا ہے بلکہ لازماً سحری کرنا ہے کہ سحری کو برکت والا کھانا کہا گیا ہے۔ جو نیند کے اوقات ہی ان میں نیند پر جا بجا ضربیں لگائی گئیں کہ ہم اپنی اس حیوانی خواہش کے گھوڑے پر سوار ہو کر اس کا لگام دینا سیکھیں۔ لیکن ہم نے تو اس مقصد کو نہ جانا نہ سمجھا۔ خصوصاً جہاں افطار کر کے بیشمار لوازمات تیار کرنا ہوں وہاں تو ظہر کے بعد سے تیاری شروع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اتنے سخت مجاہدے سے قبل تو ایک بھرپور نیند لازمی ٹھہری۔ جو فجر کے بعد کم از کم 5.6 گھنٹے پر محیط ہو، جبکہ رمضان کا تقاضا قلیل المنام، کہ لمبی تان کر سونا ہرگز مومنانہ شان نہیں۔

**کم بولنا:** دین کی نظر میں خاموشی کو عافیت کہا گیا۔ کثرتِ کلام ایک مومن کی شان ہرگز نہیں ہوسکتی۔ اور جب خاموش ہوں گے تو غور وفکر کا بھی موقع ملے گا اور ذکر کا بھی خیال آئیگا۔ لیکن ہم میں کتنے ہیں جو روزے کی حالت میں دانستہ اپنے کلام اور بیان کو قلیل کر دیتے ہوں!! جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نامہ اعمال کے زیادہ تر گناہوں کا تعلق زبان کے ساتھ ہے۔ کہا گیا کہ ''جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا اس کا روزہ ہی نہیں۔''

اسی طرح غیبت جو روزے میں شگاف ڈال دیتی ہے زبان کا گناہ ہے۔ لہٰذا صرف کھانے پینے سے رکنے سے ''تقویٰ'' کا حصول ممکن نہیں ہوگا جب تک آفات اللسان سے چھٹکارا نہ پایا جائے۔ جبکہ رمضان کا عام مشاہدہ یہ ہے کہ لوگ بات بات پر مشتعل ہو جاتے ہیں اور اکثر روزدار ''حالت غصہ'' میں پائے جاتے ہیں۔ میں نے گزشتہ کئی رمضانوں میں مشاہدہ کیا کہ ہمارے اپارٹمنٹ میں دیگر گیارہ ماہ کے مقابلے میں

رمضان میں جھگڑے زیادہ ہوتے ہیں۔اورلوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر مشتعل ہوجاتے ہیں۔ بالخصوص بچوں کے آپس کے جھگڑوں میں والدین ملوث ہوجاتے ہیں۔ اکثر خاندانی جھگڑے بھی رمضان میں شدت سے سراٹھاتے ہیں، شیطان کی صفت یہی ہے کہ وہ ہمت نہیں ہارتا وہ چاہتاہے کہ ہمیں روزے سے ماسوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہ ہو، لہٰذا ہمیں روزے کی صحت کے بارے میں فکر مند ہونا چاہیے۔درج بالا صفات ہمارے روزے کواصل روح سے آشنا کرتی ہیں اورحسن عطا کرتی ہیں۔خدا کرے ہمارے روزے ہمیں حقیقی تقویٰ سے ہمکنار کرنے والے ہوں آمین۔

☆☆☆

میں ادبی نشست کے لئے کوئی تحریر لکھنے کی کوشش میں مصروف تھی۔

ایک موضوع کے متعلق چند جملے لکھتی اس سے غیر مطمئن ہوکر دوسرے موضوع کی طرف آتی، اس سے تسلی نہ ہو پاتی تو تیسرے موضوع کی طرف۔ بیک وقت چار موضوعات میرے ذہن میں کھلبلی مچا رہے تھے کہ اچانک میسج ٹون نے اپنی طرف متوجہ کیا، مصروف ذہن کے ساتھ میسج کھولا۔

''دل میں بہت شور، لیکن زبان چپ رہنے پر مجبور.....کیا کروں؟''

''صبر''میں نے یک لفظی جواب ٹائپ کیا۔

# کریلے کھایئے صحت پایئے

چند لمحے ہی گزرے تھے کہ پھر بیپ ہوئی ''بہت مشکل لگتا ہے!''

''بے شک یہ گراں ہے سوائے عاجزی کرنے والوں پر، جو اپنے رب سے ملاقات اور اس کی طرف لوٹ جانے کا یقین رکھتے ہیں۔''

میری انگلیاں تیزی سے حرکت کررہی تھیں کہ ذہن اُن موضوعات میں الجھا ہوا تھا۔

''دل کو کون سمجھائے..... بنی بات بگاڑنے پر تُل جاتا ہے۔'' ہر لفظ سے بے بسی عیاں تھی۔

''ہاں! دل کا اپنا دماغ ہوتا ہے.....لیکن دل کو قابو میں رکھتے ہوئے اللہ کی نافرمانی سے بچے رہنا ہی تو صبر ہے، بات مشکل کی ہے تو جنت آسانی سے کب ملا کرتی ہے۔'' روانی سے جواب دیتے مجھے میرے اپنے الفاظ نے ہی چونکا دیا تھا۔

واقعی! جنت آسانی سے کب ملا کرتی ہے۔ اتنی سستی کب ہے جنت.....سیدھا چلتے چلتے پاؤں بہک جاتا ہے، بات کرتے کرتے زبان پھسل جاتی ہے اور برداشت کرتے کرتے دل.....!!

لمحہ لگتا ہے اور سارے کیے کرائے پر پانی پھر جاتا ہے۔اور ہم پھر سے وہیں پر، جہاں سے چلے تھے،

یونہی بہکتے، پھسلتے، سنبھلتے عمر تمام ہوجاتی ہے۔اور حشر کے میدان میں کوئی دامن بھرے، کوئی خالی ہاتھ۔

☆.....☆.....☆

بچپن سے ہی گھر بھر کو روزہ کا عادی پایا تھا گرمیوں کے روزے طویل ہوتے ہیں صبح ہی تو قرآن پڑھا تھا پھر آدھا دن صفائی میں گزر گیا۔سوفراغت ملی تو رسالہ پکڑ لیا، ورق گردانی ہی ہورہی تھی ابھی۔ جٹھانی کپڑے دھوکر ظہر کے بعد قرآن کی تلاوت کرکے اب کچن میں جانے کا ارادہ کررہی تھیں۔ ساس نے سگھڑاپے کی تعریف کرتے ہوئے دعا بھی دے دی۔

رسالہ دھرے کا دھرارہ گیا اور ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بن گیا۔

''ہمیشہ مجھے نیچا دکھانے کے لئے یوں کرتی ہیں، ہمیں تو ایسی چالبازیاں کسی نے نہ سکھائیں، نہ اماں اتنی ہوشیار تھیں اور آگے سے ہم بھی زمانے بھر کے سیدھے..... نہ شوہر کو قابو کرنا آیا نہ ساس کو راضی کرسکے۔''

ساری دوپہر اسی کڑھن میں گزری، عصر کے بعد بچوں کی طرف سے پکوڑوں کی فرمائش کی دیر تھی، ایک کو دھموکا، دوسرے کو تھپڑ اور خود کمرے میں جا کر ہاتھوں پر سر رکھ کر رونا شروع.....

پھر موبائل زندہ باد..... اماں کے سامنے دل ہلکا کیا یا بہن کے سامنے..... اور نہیں تو کوئی سہیلی تو فارغ ہوگی ہی۔

☆.....☆.....☆

جامعہ میں تیسرے سال کی طالبہ..... روزانہ کا سبق ہو یا ماہانہ ٹیسٹ نعت ہو یا تقریر، ہر میدان میں آگے۔ سالانہ امتحان میں سہیلی سے کم نمبر کیا آئے۔

''چہیتی جو ہوئی، وہ فرسٹ نہ آتی تو بھلا کون آتا۔''

☆.....☆.....☆

صاحبِ زکوٰۃ ہیں ہر سال لاکھوں کے حساب سے زکوٰۃ نکلتی ہے۔

شہرت کا ایسا ہَو کا کہ بھرے مجمع میں کھڑے ہی پوچھ بیٹھیں گے۔

''سکینہ مل گئے تھے پیسے؟؟ میں نے سوچا تم نجانے کب آؤ، آمنہ نے جانا تو تمہاری سائیڈ پر ہی تھا تو تمہارے پانچ سو اسے پکڑا دیے، چلو اچھا ہوا تمہیں ٹائم پر مل گئے اللہ بس قبول کر لے۔''

☆.....☆.....☆

بے صبری، مایوسی، بدگمانی، بغض، حسد، تکبر، خود پسندی، غیبت اور چغلی سب ساتھ ساتھ رہتا ہے اور جائے نماز لپیٹ کر رکھتے ہی مطمئن، خوش باش۔

''الحمدللہ، نماز ٹائم پر پڑھ لی، قضا نہیں ہوئی، قضا کر کے پڑھی تو کیا پڑھی۔ نکلتے ڈوبتے سورج کے ساتھ ریس لگا کر، کوے کی طرح ٹھونگیں مارنا بھی کوئی نماز ہے، اللہ معاف فرمائے۔

☆.....☆.....☆

''توبہ استغفراللہ ہٹے کٹے ہیں لیکن روزہ رکھتے جان نکلتی ہے، یہ تو تربیت ہوتی ہے، ماشاءاللہ بچپن سے ہی ماں باپ نے کبھی چھوڑنے نہیں دیا، اب تو سمجھو، بیماری بھی رکاوٹ نہیں بن پاتی!''

☆.....☆.....☆

''میرا تو بس ایک سال رہ گیا ہے اگلے سال عالمہ بن جاؤں گی۔ قسمت والوں کو ملتی ہیں یہ سعادتیں..... بس جن کو اللہ اس کام کے لئے چن لے!''

☆.....☆.....☆

''زکوٰۃ تو فرض ہے، ہر صورت دینی ہے ہم اللہ کی توفیق سے نفلی صدقات بھی دل کھول کر دیتے ہیں، اللہ بخشے میری دادی مرحومہ کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ جانے

# محشرِ خیال

دیتی تھیں، یہی عادت ہماری گھٹی میں پڑی ہے۔''

☆.....☆.....☆

''بے حیائی اور بے پردگی کا تو سیلاب آ گیا ہے، غیر محرموں کے سامنے یوں بے پردہ پھرتی ہیں..... پتہ نہیں، ان کے باپ بھائیوں میں شاید غیرت نام کی کوئی چیز نہیں رہی.....اللہ کا شکر ہے ہمیں تو محفوظ رکھا ہے اس گناہ سے۔''

☆.....☆.....☆

ہمارے ماں باپ بہت نیک تھے صرف قول کے نہیں عمل کے بھی غازی.....الحمدللہ اپنے سارے بچوں کی نہایت اچھی تربیت کی۔اللہ جنت نصیب کرے۔''

☆☆☆

یہ سبزی پورے برصغیر میں اگائی اور کھائی جاتی ہے یہ اپنے طبی فواء کی وجہ سے مغربی دنیا میں بھی کافی مقبول ہو رہی ہے۔کریلا بے فائدہ مند غذائی اجزا پر مشتمل ہے۔اس میں کیلشیم، میگنیشیم، فاسفورس، پوٹاشیم، سوڈیم، وٹامن اے اور سی بھی ہوتا ہے۔غذائیت سے بھرپور

ہونے کی وجہ سے یہ سبزی بے شمار امراض میں فائدے پہنچاتی ہے اس لئے اطباء وحکما عرصہ دراز سے کریلے کو دوائیوں میں بھی استعمال کررہے ہیں اور کریلا پکا کر کھانے کا بھی مشورہ دے رہے ہیں۔بعض لوگ اس کی کڑواہٹ کی وجہ سے اسے ناپسند کرتے ہیں لیکن اگر کریلے کو چھیل کر تین سے چار گھنٹے کے لئے نمک لگا کر رکھ دیا جائے تو کریلے کی کڑواہٹ میں کمی آجاتی ہے۔ قیمہ کریلے اور کریلے گوشت برصغیر کے لوگوں کی مرغوب غذا ہے۔

شوگر کے مریضوں کیلئے کریلے کے فوائد:

کریلا شوگر کے لئے دیسی علاج ہے۔ حالیہ طبی تحقیق میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ اس میں انسولین سے مشابہ ایک مادہ پایا گیا ہے جیسے نباتاتی انسولین کا نام دیا گیا ہے۔ یہ مادہ پیشاب اور خون میں شوگر کی مقدار کو کم کرتا ہے۔یہی وجہ ہے پرانے تجربہ کار طبیب کریلے کا استعمال شوگر کے مریض کو تجویز کرتے ہیں۔ زیادہ بہتر نتائج حاصل کرنے کے لئے شوگر کے مریض کو روز صبح نہار منہ چار سے پانچ کریلوں کا پانی پینا چاہیے۔ کریلوں کے بیجوں کا سفوف بھی غذا میں شامل کرنا بہت مفید ہے مگر دو گرام سے زیادہ استعمال نہ کریں۔معدے کیلئے بھی کریلا بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ یہ انسانی جسم میں جمع ہونے والے فاسد مادے کو خارج کرنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ انتڑیاں صاف کرتا ہے۔ پیٹ میں درد اور مڑوڑ نہیں ہونے دیتا، پیٹ میں کیڑے ہوں، معدہ خراب ہو، بھوک نہ لگتی ہو یا گیس کی شکایت ہو یہ سب میں فائدہ دیتا ہے۔

☆.....☆.....☆

## کریلے کے رس کے فائدے:

جگر کے مرض میں کریلے بہت مفید ہوتے ہیں۔ کریلے کے جوس میں تھوڑا سا شہد ملا کر پینے سے یرقان بھی ٹھیک ہوجاتا ہے۔جگر بڑھ جائے تو دوا کے ساتھ کریلے کھانے اور ان کا پانی پینے سے جلدی افاقہ ہوتا ہے۔یہ خون کو صاف کرکے قوتِ مدافعت بڑھاتا ہے اور مختلف قسم کے انفیکشن سے جسم اور جلد کی حفاظت کرنے میں معاون ہے۔آج کل گرمیوں میں خصوصاً برسات کے موسم میں چہرے پر دانے نکل آتے ہیں تو خواتین ہفتے میں دو سے تین بار کریلے پکا کر گھریلو علاج کرسکتی ہیں۔تازہ کریلوں کا پانی نہار منہ لیموں کا رس ملا کر پینے سے جلد صاف شفاف اور چمکدار ہوجاتی ہے۔

کریلوں کے استعمال سے اعصاب میں بھی تحریک ہوتی ہے۔یہ تھکن کو دور کرتا ہے اور گھنٹھیا، فالج اور لقوہ میں بھی مفید ہے۔ سینے اور سانس کی بیماری میں بھی بہت فائدہ مند ہوتا ہے۔کریلوں کے تازہ پتوں کا جوس بواسیر میں بہت فائدہ پہنچاتا ہے۔ دواؤں سے برے اثرات کا بھی علاج ہے۔

کریلے میں موجود Beta Carotene آنکھوں کے لئے بھی بے حد مفید ہے اور بینائی کو بڑھاتا ہے۔

خواتین یہ بات جان کر حیران ہوں گی کہ کریلا موٹاپے کو بھی دور کرتا ہے اور وزن گھٹاتا ہے۔ اس کی سبزی ہفتے میں دو یا تین بار کھانے سے جسم کی فالتو چربی اترنے لگتی ہے۔ اس کے علاوہ کریلے کا سفوف بھی اس ضمن میں مفید ہوتا ہے۔ کریلے پکانے میں یہ احتیاط کرنی چاہیے کہ فرائی کرنے کے بعد اس میں پانی نہ ڈالیں ذرا سا بھی پانی ڈل جائے ساری سبزی خراب ہو جاتی ہے۔ آپ چاہیں تو ٹماٹر یا دہی ڈال کر بھون سکتے ہیں۔

کریلا ایک قدرتی ٹانک ہے۔ گو یہ گرمیوں کی سبزی ہے مگر اب تقریباً سارا سال ہی دستیاب رہتی ہے اس لئے کریلے کھائیں صحت پائیں۔

(استفادہ: انٹرنیٹ)

☆☆☆

امِ ریان۔ اسلام آباد

مئی کا شمارہ ملا۔ سرورق پر نظر پڑتے ہی موسم کی حدت میں اضافہ ہوتا محسوس ہوا۔

آج کل بتول میں افسانوں کی بہار آئی ہوئی ہے۔ اللہ اس بہار کو قائم رکھے۔ قانتہ رابعہ نے اپنے افسانے میں بچوں کے لئے کچھ زیادہ ہی سخت الفاظ استعمال کر ڈالے۔ ڈاکٹر ممتاز عمر نے بہت خوبصورت لکھا بے اختیار غلام عباس یاد آ گئے۔ سلیس، رواں، اپنے ماحول کے ساتھ بہتی ہوئی اپنے منطقی انجام تک پہنچنے والی کہانی۔

فرحی نعیم ایک بہت اچھا اضافہ ہیں۔ انہوں نے

موبائل کے نقصانات کا ایک نئے پہلو سے احاطہ کیا۔ کہانی کا ٹریٹمنٹ نہایت مناسب تھا۔ بے جا طوالت یا غیر ضروری اختصار کہانی کا حُسن تباہ کر دیتا ہے۔ مختصر تحریریں نینو سیکنڈ، دل ایک کشکول، مالی داکم (بتول میگزین) بہت خوب تھیں۔ ''جیسی مائیں ویسی قوم'' اگر ہلکا پھلکا کے لئے لکھی جاتی تو زیادہ لطف دیتی۔ ''قطرہ قطرہ دریا بنتا ہے'' کچھ بے ربط سی لگی جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ انگریزی کا اگر لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا جائے تو پڑھنے میں مزا نہیں آتا۔ ترجمہ اگر بامحاورہ کیا جائے تو بہتر رہتا ہے۔

''ہر دل عزیز بنیے'' پڑھ کر ہم نے بھی ہر دلعزیز ہونے پر کمر کس لی ہے۔

؎ دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گُہر ے ہونے تک

ایک حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو کچھ لوگوں کے پاس ہے، اس سے بے نیاز ہو جاؤ تو لوگ تجھ سے محبت کرنے لگیں گے۔

نصرت یوسف ماشاءاللہ بہت خوب لکھ رہی ہیں۔ ان کی کہانیوں میں ہلکی پھلکی غم کی فضا چھائی رہتی ہے۔ امید ہے کہ وہ کبھی ہلکی پھلکی تحریر کے ساتھ بھی جلوہ گر ہوں گی۔

حصہ نظم میں عنایت علی خان چھائے ہوئے تھے۔ ان کے مزاحیہ قطعات پڑھیں، غزل ہو یا نظم یا بچوں کی کہانیاں۔ ماشاءاللہ ہر چیز ہی بہت خوب ہوتی ہے۔

بہت عرصہ سے بتول کا کوئی خاص نمبر منظرِ عام پر نہیں آیا اس سلسلے میں پیش رفت ہونی چاہیے۔

☆☆☆

فریدہ خالد۔ کراچی

بتول بھی کیا خوب ہے! پہلے پہل ۱۰ تاریخ تک گھر آ جاتا تھا پھر ۱۰ کے بعد کسی بھی خوش قسمت دن میں اس کا دیدار ہو جاتا لیکن اس نے مزید خراماں خراماں چلنے کی ٹھانی اور ۲۰ تاریخ کے بعد آنا شروع کیا۔ میں نے دل میں ٹھان لی کہ بتول کی سست رفتاری کا شکوہ کبھی نہ کروں گی بلکہ صبر کرتے ہوئے اجر کماؤں گی مگر اپریل کے مہینے میں تو حد ہی ہوگئی جب ۲۴ تاریخ تک اس کی آمد نہ ہوئی! اپنے ساتھیوں کی زبانی اپنے ایک عدد مضمون چھپنے کی خبر بھی دل ہی دل میں چھپا کر اپنے صبر کا امتحان لیتی رہی لیکن جب ۲۴ تاریخ بھی گزر گئی تو بتول سے محروم رہنے کا غم شدت پکڑ گیا اور ہم نے فون کھڑکا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمیں اپریل کا پرچہ ۲۸ تاریخ تک مل گیا لیکن مئی کا تو بہت جلدی مل گیا لہٰذا سب گلے شکوے ختم۔

ویسے تو بتول کے تمام مضامین ہی خوب ہوتے ہیں لیکن کسی ایک میں لکھی ہوئی کوئی بات دل پر اتنا اثر

کرتی ہے کہ کافی عرصے تک یاد رہتی ہے۔ ایسی ہی دو باتیں میرے ذہن پر نقش چھوڑ گئیں پہلی بات بہن ربیعہ ندرت کا مضمون ''نینو سیکنڈ'' میں دنیا کی تکالیف اور آخرت کے اجر کا موازنہ ایک نینو سیکنڈ کی تکلیف اور ۵۰۰ ڈالرز یا اس سے بھی زیادہ کا انعام، بہترین انداز میں کیا گیا ہے میں نے تو جب سے اسے پڑھا ہے دوسروں کو سنانے کا بیڑا اٹھا لیا ہے۔ لوگوں کو یہ بات اور concept اتنی آسانی سے سمجھ آجاتا ہے کہ میں سوچتی ہوں کہ ''وتواصوا بالحق'' اور ''وتواصوا بالصبر'' کا اس سے آسان طریقہ کیا ہوسکتا ہے۔

دوسری بات، پچھلے ماہ میں بنت الاسلام کی تحریر ''خانہ بدوشوں کا ڈیرہ'' پڑھنے کو ملی جہاں خانہ بدوش کے ڈیرے کی غلاظتوں سے گھبرا کر اپنے گھر لوٹنے والی لڑکی کی توجہ اپنے گھر میں موجود غلاظتوں کی طرف دلائی گئی۔ ہم سب کے لئے سوچنے کا مقام ہے کہ فرشتے جو ایک پاک مخلوق ہیں ہمارے گھروں کی غلاظتیں دیکھ کر کس قدر گھبراتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے کام کرنے کی توفیق عطا کرے کہ فرشتے ہمارے گھروں میں آکر نہ صرف خوش ہوں بلکہ ہمارے لئے دعائیں کرنے والے بھی ہوں۔

آخر میں بتول کی تمام ٹیم کے لئے بہت سی دعائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس کارِ خیر کا بہترین اجر عطا فرمائے (آمین)

☆☆☆

خورشید بیگم۔ گوجرہ

پُر اسرا سا ٹائٹل لئے ہوئے ماہنامہ بتول 11 مئی کی شام کو ملا۔ تبصرہ حاضر ہے۔ اللہ کرے آپ کو وقت پر مل جائے۔ ''انوار ربانی'' میں ڈاکٹر مقبول احمد شاہد قرآن کے معجزات کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے (آمین) حقیقت یہ ہے کہ قرآن تو ہے ہی ایک معجزہ جو رب کریم کی طرف نبی کریمؐ کو عطا ہوا۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس معجزہ کی قدر و قیمت کو پہچانتے ہیں۔ ''انسانیت کے حق میں نزولِ قرآن سے بڑی خیر اور کوئی نہیں۔'' مضمون ''رمضان کی برکات'' واقعی خاص مضمون ہے۔ افشاں نوید صاحبہ نے آزمائشوں میں راہِ عمل دکھائی ہے جو ہر داعیِ حق کے لئے ڈھارس ہے۔ ''جوگ'' بہن قانتہ رابعہ نے دل میں کیسی جوت جگائی کہ ناظر حسین ''چاچا نوردین'' بن گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ حلال و حرام میں تمیز ہی ایک مسلمان کو مومن بناتی ہے۔ ''دل کا دیا'' میں محترمہ نصرت یوسف صاحبہ کتنے پیارے انداز میں مردوں کو رفیقۂ حیات کے انتخاب کا گُر سکھا رہی ہیں، حدیث شریف بھی تو ہے ''دنیا کی نعمتوں میں بہترین نعمت نیک بیوی ہے۔''

محترم ام کلثوم صاحبہ نے ایک یادگار تقریب کے روپ میں سچا واقعہ ہم تک پہنچا کر ایمان تازہ کر دیا۔ مصور پاکستان علامہ اقبال کا وہ شعر فوراً یاد آ گیا جو اس واقعہ کی تصدیق کرتا ہے۔فرماتے ہیں۔

؎ فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

فرحی نعیم صاحبہ نے جو المیہ بیان کیا ہے وہ واقعی ہمارا بہت بڑا معاشرتی المیہ ہے، جو نتیجہ ہے علم دین سے ناشناسائی کا۔ جسے حقوق العباد کی ادائیگی کا احساس ہو وہ ایسا کیونکر کر سکتا ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو دھوکا دے۔

قانتہ بہن سے گزارش ہے کہ ہمیں اپنی لائبریری کی سیر کرواتی رہا کریں تا کہ میرے جیسی بتول کی قارئین مستفید ہوتی رہیں جو مطالعہ کتب کو زیادہ وقت نہیں دے سکتیں۔ ''چراغوں کا دھواں'' آپا نیر بانو صاحبہ نے دادی اماں اور خصوصاً نانی اماں کے دور کی یادیں تازہ کر دیں۔دل اداس ہوا اور یہ کہنے پر مجبور ہو گیا

''دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو''

''گولا گنڈا'' کتنے خوبصورت ، ہلکے پھلکے انداز میں حفصہ بہن نے حیاتِ دنیا کی بے ثباتی اور وقت کی قدر و قیمت سمجھا دی ہے۔

اجازت چاہوں گی اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی کوششوں کو قبول کرے اور با آور کرے آمین۔

☆☆☆

عافیہ رحمت۔کراچی

؎ ہمیں یقیں ہے کہ ہم ہیں چراغ آخر شب
ہمارے بعد اندھیرا نہیں اجالا ہے

بتول کے سرورق پر زرد سورج کو دیکھ کر میں نے بڑی مہارت سے یہ شعر اس کے اندر لکھ دیا۔اداسی کا رونا رونے کی بجائے ایک امید اور سہی۔

اقامت دین اصل ہے اور ہم نے الیکشن میں اس مقصد کے لئے حصہ لیا تھا کہ اقامت دین کا کام بہ طریقِ احسن ہو سکے۔اس بار نہ سہی پھر کبھی لیکن اسلام غالب آئے گا۔ان شاء اللہ۔امید اور جدوجہد۔بس یہی ایک مومن کا کام ہے۔

مجھے مضامین بہت مشکل سے ہضم ہوتے ہیں مگر اس دفعہ کے دونوں مضامین بہت سہل اور خوبصورت موضوعات پر تھے اس لئے اچھے لگے۔

رب کی رحمتوں سے پور پور بھگوتا نصرت یوسف

کے ناول کا اختتامیہ، ہلکا پھلکا اور مؤثر لگا۔ امیمہ امجد اورفرحی نعیم کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ بہت زبردست اور جاندار افسانوں کے ساتھ آئیں۔آپ کے قلم کے جاری وساری رہنے کے لئے ڈھیروں دعائیں۔

شمیم فاطمہ کا تبصرہ اورنظم، دونوں بہت آئی کیچنگ (نظروں کو لبھانے والی) ہوتی ہیں۔محشرِ خیال میں اس دفعہ کافی رونق ہے(ہم نے جوانٹری دے دی ہے)بشریٰ تسنیم کی ایک بات پر تبصرہ ختم کرتی ہوں ۔یہ وہ بات ہے جو بار بار لکھنے، دہرانے اور پڑھنے کی ضرورت ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب میں تم پر اچھے لوگوں کو حاکم اور سردار بناؤں تو یہ میری رضا مندی کی علامت ہے اور شریر بدمعاشوں کو تم پر حاکم بناؤں تو یہ میری خفگی اور ناراضگی کی نشانی ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہوجائیں اور ہمیں معاف کردیں۔آمین

☆☆☆

<u>عائشہ مظفر۔جدہ</u>

بتول مجھے بہت پسند ہے۔مئی کا شمارہ بہت اچھا لگا ہمیشہ کی طرح حالات حاضرہ پر بہترین تبصرہ لئے ہوئے تھا۔نصرت یوسف کے افسانے بہت اچھے ہوتے ہیں اس بار بھی ان کی طویل کہانی ''دل کا دیا'' دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔

''قرآن کا معجزہ''اور''اسلام کی اہمیت''اپنے اندر بہت اہم معلومات لئے ہوئے تھے۔ ووٹ کی شرعی حیثیت پر مولانا شفیع صاحب کا مضمون بے حد اہم تھا اور وقت کی ضرورت بھی۔عنایت علی کی نعت بہت اچھی لگی۔''اب کہہ بھی ڈالو تو بہتری ہے۔ میں معاشرے میں عام رویوں کی عکاسی کی گئی ہے۔''بند کھڑی''میں دنیا بھر میں کشمیر،فلسطین اور دیگر جگہوں پر مظلوم مسلمانوں سے بے رخی کا رویہ اجاگر کیا گیا ہے۔

''خلش'' اور''مدہوش'' بھی اچھی تحریریں تھیں۔''صبح قریب آ گئی ہے''زبردست تحریر تھی۔ چلتے چلتے کی کمی محسوس ہوتی ہے۔اللہ بتول کو مزید ترقی دی اور وطنِ عزیز کی حفاظت فرمائے آمین۔

☆☆☆